بھارت — سرزمین اور لوگ

آبادی

ایس۔این۔اگروال

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

آبادی

نہیں تھا کہ فی کس آمدنی کو بڑھایا جائے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مجموعی قومی آمدنی کو بڑھایا جائے جسے ریاست کی آمدنی کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔

اٹھارویں صدی کے آخری نصف کے دوران معاشی اور سماجی مسائل سے متعلق کتابوں کے متعدد مصنفین نے اس تجارتی نظریہ اور تصوّر کو رد کر دیا کہ آبادی میں اضافہ فائدہ مند ہے اور ریاست کو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ چند مصنفین نے بالخصوص برطانیہ، فرانس اور اٹلی میں اس امر پر زور دیا کہ آبادی کا دارومدار گزربسر کے ذرائع پر ہونا چاہیے۔ انھوں نے غریبوں کو امداد دینے کی مخالفت اس بنا پر کی کہ یہ کفایت شعاری کی بیخ کنی کر سکتی ہے، محنت کو غیر متحرک بنا سکتی ہے اور پیداواری صلاحیت کو کم کر سکتی ہے اور اس طرح گزربسر کے ذرائع پر لوگوں کی بھاری تعداد کا دباؤ بڑھا سکتی ہے۔ ان دلائل کو گاڈون اور کنڈورسیٹ جیسے سماجی اصلاحات کے وکیلوں کے خلاف یہ ثابت کرنے کی کوشش میں استعمال کیا گیا کہ اصلاحات سے جو فائدے میسّر آئیں گے وہ بالآخر آبادی میں اضافہ کی وجہ سے یکسر منسوخ ہو جائیں گے۔

تجارتی نظریہ کے خلاف ردِ عمل کے اس زمانے ہی میں مالتھس نے ۱۷۹۸ء میں اپنی کتاب "آبادی کے اصولوں پر ایک مقالہ" کا پہلا ایڈیشن شائع کیا۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن لازمی طور پر کنڈورسیٹ اور گاڈون کے خلاف ایک نزاعی بحث کے مترادف تھا۔ بہرکیف مالتھس نے اپنے مقالے کے دوسرے اور بعد کے ایڈیشنوں میں عوام الناس کے افلاس کے بنیادی اسباب یعنی آبادی کے دباؤ اور بڑھتی ہوئی آبادی کے گزربسر کے لیے پیداواری ذرائع کے اصراف کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا۔ اس نے یہ رائے دی کہ گذربسر کے ذرائع کے اعتبار سے آبادی محدود ہوتی ہے اور اگر گزربسر کے ذرائع بڑھتے ہیں تو آبادی بھی لازمی طور پر بڑھتی ہے بشرطیکہ اسے "بعض بہت ہی طاقتور اور واضح پابندیوں" کی بدولت بڑھنے سے نہ روکا جائے۔

مالتھس کا نظریہ دو دعوں اور ایک مفروضہ پر مبنی ہے۔ اس کے دعوے یہ ہیں (۱) انسان کے زندہ رہنے کے لئے خوراک ضروری ہے اور (۲) مرد اور عورت کے درمیان پُرجوش جنسی تعلق ضروری ہے اور یہ جنسی تعلق قریب قریب اپنی موجودہ صورت میں برقرار رہے گا۔ مالتھس کا مفروضہ یہ ہے کہ خوراک کی پیداوار ریاضی کے سلسلے کی طرح بڑھتی ہے اور آبادی سلسلۂ ہندسیہ کی طرح بڑھتی ہے۔ لہٰذا انسانوں کے لیے گزربسر کے ساز و سامان پیدا کرنے کے لیے آبادی کی قوت زمین کی قوت سے لامحدود طور پر زیادہ ہے۔ اس لیے ایسی کوششیں کرنی چاہئیں کہ آبادی کو بعض طاقتور پابندیوں کی بدولت گزربسر کے ذرائع کی

آمدنی میں صرف ۱۶ فیصدی کا اضافہ ہوا۔ اس صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے تیسرے پلان میں کہا گیا ہے کہ "آبادی میں اضافہ اور امکانی رجحانات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قومی آمدنی میں تقریباً ۶ فیصدی سالانہ اضافہ کی شرح کو برقرار رکھنے سے بھی دوسرے پنجسالہ پلان میں ظاہر کیے گئے ارادوں یعنی پانچویں پلان کے وسط تک[1] فی کس قومی آمدنی کی ۵۱-۱۹۵۰ء والی سطح کو دُگنا کرنے کے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا دشوار ہوگا۔

تیسرے پنجسالہ پلان کی مدّت کے دوران قومی آمدنی میں اضافہ کی شرح ۵ فیصدی سالانہ کے مطلوبہ نشانے سے نصف سے بھی کم تھی۔ قومی آمدنی پہلے ۲½ فیصدی کی شرح سے بڑھی اور دوسرے پلان کے دوسرے سال میں ۷ء۱ فیصدی کی شرح سے بڑھی۔ اگلے دو سالوں میں بڑی تیزی سے اس کمی کو بحال کیا گیا۔ اور بالترتیب اضافہ کی شرح ۹ء۴ فیصدی اور ۶ء۷ فیصدی تھی۔ لیکن پانچویں سال میں قومی آمدنی کی شرح کم ہو کر ۲ء۴ فیصدی رہ گئی۔ یہ اُمید کی جاتی ہے کہ قومی آمدنی جو اس وقت ایک کھرب ۹۹ ارب روپے کے برابر ہے۔ ۶۶-۱۹۶۵ء کی قیمتوں کے اعتبار سے ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۲ کھرب ۹۵ ارب روپے ہوجائے گی۔ توقع ہے کہ اسی مدّت کے دوران ۶۶-۱۹۶۵ء کی قیمتوں کے اعتبار سے فی کس آمدنی ۷ء۴۴ روپے سے ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۵۳۲ روپے ہوجائے گی۔

منصوبہ بندی کے گذشتہ ۱۵ سال میں بے روزگار لوگوں کی تعداد بڑھتی رہی ہے۔ پہلے پنجسالہ پلان کی مدّت کے آخر میں بے روزگار لوگوں کی تعداد ۵۳ لاکھ تھی۔ دوسرے پنجسالہ پلان کی مدت کے دوران محنت کش لوگوں کے موجودہ اضافے کو جذب کرنے کے لیے کافی روزگار تخلیق نہ کیے جاسکے اور اس طرح بے روزگار لوگوں کی تعداد بڑھ کر ۹۰ لاکھ ہوگئی۔ تیسرے پنجسالہ پلان کی مدّت کے دوران بھی بیروزگاری بڑھتی رہی ہے اور امید ہے کہ ۶۶-۱۹۶۵ء میں بے روزگار لوگوں کی تعداد ایک کروڑ ہوجائے گی۔ چوتھے پنجسالہ پلان کی مدّت کے دوران توقع ہے کہ محنت کش لوگوں میں مزید ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ اشخاص شامل ہوجائیں گے۔ چوتھے پنجسالہ پلان کی مدت کے دوران صنعتی میدان میں تقریباً ایک کروڑ ۴۰ لاکھ اشخاص کے لیے اور زرعی میدان میں ۵۰ لاکھ لوگوں کے لیے روزگار کے مزید مواقع مہیّا کیے جانے کا امکان ہے۔ اس طرح نو واردوں کے لیے بھی روزگار مہیا کرنا دشوار ہوگا کیوں کہ چوتھے پنجسالہ پلان کی مدّت کے آخر میں بے روزگار لوگوں کی

---

[1] پلاننگ کمیشن۔ تیسرا پنجسالہ پروگرام صفحہ ۲۱

تعداد غالباً ایک کروڑ ۴۰ لاکھ ہوگی اور تیسرے پنجسالہ پلان کی مدت کے آخر میں ایک کروڑ بیکار لوگوں کی تعداد اس کے علاوہ چلی آرہی ہے۔

نمونے کے قومی سروے کے اعداد و شمار پر مبنی اندازوں کے مطابق کل آبادی میں سے ۶۱٫۳۶ فیصدی لوگوں کی ماہانہ آمدنی ۲۱ روپے سے بھی کم ہے۔ حکومت نے اس مقصد کا وعدہ کر رکھا ہے کہ ۱۹۷۵-۷۶ء تک خاندان کے ہر ممبر کے لیے کم سے کم ۲۰ روپے ماہوار کی آمدنی فراہم کرے گی۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ اس وقت تک جو کچھ ممکن ہو سکا ہے اس کی نسبت روزگار کے زیادہ مواقع فراہم کیے جائیں۔

اس طرح یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ تین پنجسالہ پلانوں کی مدت کے دوران زرعی پیداوار ۱۹۵۰-۵۱ء میں ۵ کروڑ ۱۰ لاکھ ٹن سے بڑھ کر ۱۹۶۴-۶۵ء میں ۸ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن تک بڑھ گئی۔ صنعتی پیداوار کا اشاریہ ۱۹۵۱ء میں ۷۴ سے بڑھ کر ۱۹۶۴ء میں ۱۷۵ ہو گیا۔ قومی آمدنی ۱۹۴۸-۴۹ء کی قیمتوں کے اعتبار سے ۱۹۵۰-۵۱ء میں ۸۸½ ارب روپے سے بڑھ کر ۱۹۶۳-۶۴ء میں ایک کھرب ۳۹ ارب اور ۱۰ لاکھ روپے ہو گئی۔ لیکن اسی مدت کے دوران آبادی ۱۹۵۱ء میں ۳۶ کروڑ ۱۰ لاکھ سے بڑھ کر ۱۹۶۵ء میں ۴۸ کروڑ ۶۰ لاکھ ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۵۰ء میں فی یوم کے حساب سے فی کس ۱۴ اونس دستیاب خوراک ۱۹۶۴-۶۵ء میں صرف ۱۵٫۶۷ اونس فی یوم تک بڑھی۔ ۱۹۴۸-۴۹ء کی قیمتوں کے اعتبار سے فی کس قومی آمدنی ۱۹۵۱ء میں ۲۴۷½ روپے سے بڑھ کر ۱۹۶۴ء میں صرف ۲۹۹٫۶۸ روپے ہو سکی۔ لہٰذا ترقی کا بیشتر حصہ آبادی میں برق رفتار اضافہ ہڑپ کر گیا ہے۔

یہ ایک بڑی اچھی بات ہے کہ ہند سرکار نے ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کو ایک سطح پر مستحکم رکھنے کا مقصد منظور کر لیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تیزی سے موجودہ شرح پیدائش کو جو اس وقت ۴۰ ہے گھٹا کر ۲۵ کر دیا جائے۔ امید کی جاتی ہے کہ چوتھے پنجسالہ پلان کی مدت کے دوران افزائش نسل کے قابل بیشتر شادی شدہ جوڑوں کو مانع حمل سے متعلق خدمات فراہم کی جائیں گی۔ زیادہ زور ان مانع حمل اشیاء پر دیا جائے گا جو رحم کے اندر لگائی جائیں گی۔ اور اس امر کا امکان ہے کہ ان کو استعمال کرنے والوں کی تعداد ۱۹۶۶ء میں ۶۰ لاکھ سے بڑھ کر ۱۹۷۰-۷۱ء میں ایک کروڑ ۶ لاکھ ہو جائے گی۔ نس بندی کے آپریشنوں اور مانع حمل روایتی تدابیر کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اس امر کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی پر خرچ کیے گئے پچاس روپے

کا وہی معاشی اثر ہوتا ہے جو ملک کی معاشی ترقی میں ۵۰۰ روپے کی پونجی لگانے سے ہوتا ہے۔ اس امر کا اندازہ بھی لگایا گیا ہے کہ ہندوستان میں ہر سال ۲ کروڑ پیدا ہونے والے بچوں کے گزر بسر کے لیے تقریباً ۳ ارب روپے سالانہ خرچ کیے جاتے ہیں۔ اگر پانچ برس کے لیے بچے پیدا نہ کرنے کی چھٹی کر لی جائے تو ۱۵ ارب روپے کے لگ بھگ یا چوتھے پلان میں مقرر کیے گئے ایک کھرب ۶۰ ارب کے کل تخمینے کے تقریباً دسویں حصے کے برابر گھریلو ذرائع میسر آئیں گے۔

تیرھواں باب

ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام

ممالک کے درمیان ہندوستان آبادی کے اعتبار سے دوسرے درجے اور زمین کے رقبے کے اعتبار سے ساتویں درجے پر ہے۔ یہ دنیا کی کل آبادی کے ۱۵ فیصدی حصے کے برابر آبادی اور دنیا کے کل رقبہ کے ۲٫۴ فیصدی حصے کے برابر رقبہ رکھتا ہے۔ اس کی آبادی ۱۹۵۱ء میں ۳۵ کروڑ ۹۰ لاکھ تھی یعنی سوویت یونین کو نکال کر یورپ کی آبادی کے تقریباً ۹۰ فیصدی اور چین کی آبادی کے ۶۰ فیصدی حصے کے برابر۔ آج (اپریل ۱۹۶۶ء) اس کی آبادی ۵۰ کروڑ ہے۔ اس کی آبادی اتنی گھنی ہے کہ ایک مربع میل علاقے میں ۳۱۲ اشخاص رہتے ہیں۔ اور سوویت یونین کو نکال کر یورپ کی گھنی آبادی کے مقابلے میں ۴۰ فیصدی اور چین کی گھنی آبادی کے مقابلے میں ۲۵۰ فیصدی زیادہ ہے۔ بہر کیف اس کی زمین کا رقبہ سوویت یونین کو نکال کر یورپ کے صرف ۲ تہائی رقبے کے برابر ہے۔

۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے وقت ہندوستان کی آبادی ۲۳ کروڑ ۶۰ لاکھ تھی۔ ۳۰ سال کے بعد اس کی آبادی میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوا اور پھر اگلے ۳۰ برس کے دوران یعنی ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۱ء تک ہندوستان کی آبادی میں ۱۰ کروڑ ۹۰ لاکھ کا اضافہ ہوا یعنی ۹ گنا زیادہ۔ لیکن تنہا ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سال کے دوران اس میں ۷ کروڑ ۹۰ لاکھ کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۱ء سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ ایک دہائی سال میں آبادی تیزی سے بڑھتی تھی تو اس سے اگلے دہائی سالوں میں آبادی میں کم اضافہ ہوتا تھا اور بعض اوقات منفی اضافہ ہوتا تھا۔ اس کی اوّلین وجہ یہ تھی کہ اکثر قحط پڑتے تھے اور وبائیں پھوٹ پڑتی تھیں۔ مثال کے طور پر یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا پھوٹنے پر ہندوستان کے ۲ کروڑ افراد لقمۂ اجل ہوئے تھے اور ۱۹۱۸-۱۸۹۸ء کے عرصے کے دوران تقریباً ۱/۲ ۲ لاکھ اموات پلیگ کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ لیکن ۱۹۲۱ء کے بعد سے ہندوستان کو مقابلتہً وباؤں اور قحطوں کی تباہ کاریوں سے نجات مل گئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شرحِ پیدائش میں زیادہ اضافے کی بجائے شرحِ اموات میں کمی ہوئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پہلے کی نسبت آبادی میں اضافہ کی رفتار تیز تر ہوگئی ہے۔

اس بات کو عام طور سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں آبادی میں اضافہ کی موجودہ شرح تقریباً ۲½ فیصدی سالانہ ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں آبادی میں اضافے کی اتنی بلند شرح کی مثال نہیں ملتی ہے بہر کیف یہ بات غیر معمولی نہیں ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کے بیشتر ممالک میں اس وقت پائی جانے والی آبادی میں اضافے کی شرح بھی قریب قریب اتنی ہے۔ اس وقت امریکہ کی آبادی ہر سال ۱٫۶ فیصدی کی شرح سے، ارجنٹائن کی ۲٫۲ فیصدی کی شرح سے، برازیل کی ۲٫۴ فیصدی کی شرح سے، میکسیکو کی ۳٫۰ فیصدی کی شرح سے اور کاسٹاریکا کی ۳٫۶ فیصدی کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ لیکن ہندوستان میں جو بات آبادی میں اضافہ کو خطرناک بناتی ہے یہ ہے کہ اس کی آبادی کی بنیاد اتنی وسیع ہے کہ اس کی آبادی میں کل سالانہ اضافہ تقریباً ایک کروڑ ۲۰ لاکھ کے برابر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں کم اور بُری خوراک کھانے والے لوگوں کی تعداد کو جو پیچھے سے چلے آرہے ہیں، اور کل اضافے کو مدِ نظر رکھا جائے تو معاشی منصوبہ بندی کے باوجود زندگی کے بلند معیار پر آبادی کو برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ شرحِ اموات میں کمی ہو رہی ہے اور اس امر کے واجبی امکانات موجود ہیں کہ عوام کی صحت اور صفائی میں لگاتار بہتری کے باعث شرح اموات مسلسل کم ہوتی رہے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شرحِ پیدائش کم نہ ہوئی تو شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات میں خلیج وسیع ہوتی رہے گی۔ اور ہندوستان کو تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی جسے "یورشِ آبادی" کے نام سے پکارا جاتا ہے، کے خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عام رائے یہ ہے کہ ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کی آبادی غالباً ۵۶ کروڑ ہو جائے گی ۱۹۷۶ء میں ۶۴ کروڑ اور ۱۹۸۱ء میں تقریباً ۷۰ کروڑ ہو جائے گی۔

اگر ہم تاریخی طور پر مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ارتقا پر نظر ڈالیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب مغربی ممالک معاشی طور سے پس ماندہ تھے اور زراعت ان کا اہم پیشہ تھا تو ان کی شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات دونوں ہی بلند تھیں۔ لہٰذا ان کی آبادی میں اضافہ سست رفتاری سے ہوتا تھا۔ پینے کے پانی کی سہولتوں، صحت و صفائی کے بہتر انتظامات اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کے بہتر انتظامات کی وجہ سے شرحِ اموات میں کمی واقع ہوئی لیکن شرحِ پیدائش بلند ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آبادی تیزی سے بڑھنے لگی۔ یورپ میں آبادی میں برق رفتار توسیع کے اس عرصے کو "عبوری دور" کہا گیا اور یہ تین صدیوں تک جاری رہا اور آبادی میں سات گنا

خاندان کو محدود بنانے کی جانب عوام کے رویّہ کو بدلنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا جارہا ہے۔

خاندان کا انحصار ان باتوں پر ہے۔ (۱) وہ عمر جس میں عورتیں شادی کرتی ہیں۔ (۲) وہ عرصہ جس کے دوران وہ افزائشِ نسل کے اتحاد میں رہتی ہیں۔ اور (۳) وہ برق رفتاری جس سے وہ اپنے خاندانوں کی تعمیر کرتی ہیں۔ مردم شماری کے مطبوعہ اعداد و شمار پر مبنی مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ شادی کے وقت عورتوں کی اوسط عمر ۳۱-۱۹۲۱ء کے دہائی سالوں میں ۱۲۶۶ سے بڑھ کر ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سالوں میں ۱۵۶۹ ہوگئی جبکہ شادی کے وقت مردوں کی اوسط عمر قریب قریب وہی ۲۰ برس کی رہی ہے۔ ۲۰ برس کے عرصے میں شادی کے وقت عورتوں کی اوسط عمر میں تین برس کے اضافے کا ایک موٹے اندازے کے مطابق نتیجہ یہ ہوگا کہ شرحِ پیدائش میں ۳ فیصدی کی کمی ہوگی۔

عمر کے اعتبار سے شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کے تناسب پر مبنی ایک اور مطالعہ جسے مردم شماری کے اعداد و شمار سے حاصل کیا گیا ہے' یہ حساب لگایا گیا ہے کہ ۴۵ برس تک بیوہ ہونے والی عورتوں کی بیوگی کی عمر جبکہ ۳۱-۱۹۲۱ء کے دہائی سالوں میں ۳۲۶۸ تھی یہ ۵۱-۱۹۴۱ء کے دہائی سال میں بڑھ کر ۲۴٫۱۶ ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ افزائشِ نسل کی صلاحیت رکھنے والی عمروں میں بیواؤں کے تناسب میں کمی واقع ہوئی ہے۔ ۴۶-۱۹۲۶ء کے عرصے کے دوران (دونوں کو اپنے اپنے دہائی سالوں کے وسطی سال کی حیثیت سے لیا گیا ہے) بیواؤں میں اس کمی کا نتیجہ ایک موٹے اندازے کے مطابق یہ ہوا کہ شرحِ پیدائش میں تقریباً ۱۰ فیصدی کا اضافہ ہوا۔

لوگ مانعِ حمل اشیا کا استعمال کرتے تو شرحِ پیدائش میں کمی کی جاسکتی تھی۔ ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ابھی طاقتور نہیں ہے اور چونکہ اس بات کا پتہ چلا ہے کہ صرف ۴۵ لاکھ اشخاص مانعِ حمل اشیا کا استعمال کرتے ہیں اس لیے ان کی وجہ سے شرحِ پیدائش میں جو کمی ہوتی ہے وہ بہت ہی معمولی ہے۔ لہٰذا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے اگر ہندوستان میں شرحِ پیدائش میں کوئی اہم کمی نہیں ہوئی ہے۔

ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی

ہند سرکار ہندوستان کے عوام کے درمیان خاندانی منصوبہ بندی کا پرچار کرنے کی بڑی خواہاں ہے۔ وہ ایّام اب افسانۂ ماضی ہوگئے ہیں جبکہ پروفیسر رگھوناتھ ڈھونڈو کاروے کو اپنی

اضافہ ہوا[۱] یہ خیال کہ دنیا کے کم ترقی یافتہ ممالک مرگ و پیدائش کے ارتقاء کے اسی نمونے کی پیروی کریں گے۔ یا نہیں جس کا تجربہ مغرب کے ممالک نے کیا تھا اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ جراثیم کش ادویات کے استعمال سے، ڈی۔ڈی۔ٹی کے چھڑکاؤ سے اور بی۔سی۔جی کے ٹیکے لگانے سے اب یہ بات ممکن ہے کہ شرحِ اموات میں تیزی سے کمی کر دی جائے۔ اس خیال کی حمایت میں لنکا، فارموسا، جمیکا، چلی، کاسٹاریکا، برٹش گی آنا وغیرہ کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ شرحِ اموات میں ۵۰ فیصدی کی کمی یعنی جو ۴۰ سے گھٹا کر ۲۰ تک لائی گئی اسے ممکن بنانے میں مغربی ممالک کو ۱۰۰ سال سے زیادہ سال لگے تھے۔ لیکن ان کم ترقی یافتہ ممالک میں یہ کمی تقریباً دس سال کی مدت میں ممکن بنائی گئی۔ اس حیرت انگیز کارنامے کا امکان کم ترقی یافتہ ممالک میں مرگ و پیدائش کے عبور کے مسئلے کو اور بھی زیادہ سنجیدہ بنا دیتا ہے اور لوگوں کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری ڈالتا ہے جو ان ممالک کے مقدروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

مغربی ممالک کے تجربے سے کم ترقی یافتہ ممالک کو جو اہم ترین سبق سیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ شرحِ اموات میں اگر وباؤں کی روک تھام کے لیے درآمد شدہ جدید ادویات سے اور پینے کے پانی کی سہولتوں کو، زراعت کے طریقوں کو اور آمد و رفت کے ذرائع کو بہتر بنانے سے کمی کی جا سکتی ہے تو اوپر سے وارد کی جانے والی ان تبدیلیوں سے افزائشِ نسل کی صلاحیت میں کمی نہیں کی جا سکتی جو "صرف زندگی کے بیرونی حالات پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اُمیدوں، خوف، عقائد اور عوام کی سماجی تنظیم کو مقابلتہً چھیڑتی تک نہیں ہیں۔"[۲] یہ موخر الذکر حقائق بہت اہم ہیں اور جب تک ان میں رد و بدل نہیں کیا جائے گا تب تک افزائشِ نسل کی صلاحیت مسلسل بلند رہے گی۔ تاہم امراض کی روک تھام کے لیے[۳] جبکہ کافی کوششیں کی جا رہی ہیں،

---

[۱] مل بینک میموریل فنڈ کی کتاب "کم ترقی یافتہ علاقوں سے متعلق بین الاقوامی نظریات" میں جو ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی ایف۔ ڈبلیو نوٹیسٹین کا مقالہ "کم ترقی یافتہ ممالک کے مسائل سے متعلق مرگ و پیدائش کے پس منظر کا خلاصہ" صفحہ ۲

[۲] مل بینک میموریل فنڈ کی کتاب "کم ترقی یافتہ علاقوں سے متعلق بین الاقوامی نظریات" میں جو ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی ایف۔ ڈبلیو نوٹیسٹین کا مقالہ "کم ترقی یافتہ ممالک کے مسائل سے متعلق مرگ و پیدائش کے پس منظر کا خلاصہ" صفحہ ۹ اور ۱۰۔

[۳] مثال کے طور پر، ۱۹۴۷ء میں تقریباً ۷½، کروڑ اشخاص ملیریا سے متاثر ہوئے اور ۱۹۶۰ء میں ان کی تعداد ۵۰ لاکھ رہ گئی امید کی جاتی ہے کہ چوتھے پلان کی مدت کے آخر میں ملیریا کا مکمل طور سے قلع قمع ہو جائے گا۔

ملازمت سے استعفیٰ دینا پڑا تھا چونکہ انھوں نے بمبئی (۱۹۲۵ء) میں ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول) کا ایک شفاخانہ کھول دیا تھا۔ ۱۹۳۰ء سے شروع ہونے والی دہائی سے ملک کے تعلیمیافتہ اشخاص نے خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت کی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں میسور سرکار نے صوبہ میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق ایک شفاخانہ کھولا۔ دو سال کے بعد ۱۹۳۲ء میں مدراس سرکار نے پریذیڈنسی میں ضبطِ تولید سے متعلق شفاخانے کھولنے کی تجویز منظور کر لی۔ اسی سال کے دوران لکھنؤ میں خواتین کی کل ہند کانفرنس نے ایک قرارداد منظور کی جس میں یہ سفارش کی گئی کہ "مسلّمہ شفاخانوں میں مردوں اور عورتوں کو ضبطِ تولید کے طریقوں سے متعلق تربیت دی جائے۔" منصوبہ بندی سے متعلق قومی کمیٹی نے جسے ۱۹۳۵ء میں جواہر لال نہرو کی صدارت میں انڈین نیشنل کانگریس نے قائم کیا تھا خاندانی منصوبہ بندی کی پُر زور حمایت کی۔[1] ۱۹۳۶ء میں ڈاکٹر اے۔ پی۔ پلّے نے خاندانی منصوبہ بندی کا نصاب شروع کیا۔ ۱۹۳۹ء میں اُتر پردیش اور مدھیہ پردیش میں ضبطِ تولید سے متعلق شفاخانے کھولے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں سر پی۔ این۔ سپرو نے صوبوں کی کونسل (ہندوستانی پارلیمنٹ کا ایوانِ بالا) میں ضبطِ تولید سے متعلق شفاخانے قائم کرنے کے لیے ایک قرارداد پیش کی۔ ہند سرکار نے ۱۹۴۲ء میں سر جوزف بھور کی صدارت میں ہیلتھ سروے اور ترقیات سے متعلق جو کمیٹی قائم کی اس نے سفارش کی کہ مختلف سرکاری اسپتالوں میں ضبطِ تولید سے متعلق شفاخانے کھولنے کا انتظام کیا جانا چاہیے۔ ۱۹۴۹ء میں ہندوستان کا خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق ادارہ بمبئی میں شریمتی دھن ونتی راما راؤ کی صدارت میں قائم کیا گیا۔

آزادی کے بعد سے ہند سرکار اس تحریک کی سرگرمی سے حمایت کرتی رہی ہے۔ پہلے پنجسالہ پلان میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے لیے ۶۵ لاکھ روپے مخصوص کیے گئے تھے اور اس پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ خاندان کو محدود بنانے کی موثر تکنیکیں دریافت کی جائیں اور ایسے طریقوں کا مشورہ دیا جائے جن کی بدولت تکنیک سے متعلق معلومات وسیع پیمانے پر پھیلائی جائیں۔ دوسرے پنجسالہ پلان کے لیے اس مقصد کی خاطر

---

[1] کے۔ ٹی۔ شاہ کی کتاب آبادی (۱۹۳۰ء) کا مطالعہ کیجیے۔ ایک سفارش یہ ہے کہ "سماجی معیشت، خاندان کی مسرت، اور قومی منصوبہ بندی کے مفاد میں خاندانی منصوبہ بندی اور بچوں کی محدود تعداد بہت ضروری ہے اور ریاست کو ان کی حوصلہ افزائی کرنے والی پالیسی اپنانی چاہیے۔

رقم ۴ کروڑ ۹۰ لاکھ روپے تک اور تیسرے پنجسالہ پلان کے لیے ۲۷ کروڑ روپے تک بڑھا دی گئی۔ چوتھے پنجسالہ پلان میں ۹۵ کروڑ روپے کا ابتدائی تخمینہ ۲۲۹ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے تک بڑھا دیا گیا ہے۔ پس تیسرے پلان میں اگر ایک شخص کے لیے ۵۰ پیسے مخصوص کیے گئے تھے تو اب چوتھے پلان میں اسے ایک شخص کے لیے تقریباً ۵ روپے تک بڑھا دیا گیا ہے۔

شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے شفاخانے کھولنے میں کافی ترقی کی گئی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسرے پنجسالہ پلان کے آغاز میں ایسے صرف ۱۴۷ شفاخانے تھے۔ یعنی دیہی علاقوں میں ۲۱ تھے اور شہری علاقوں میں ۱۲۶ تھے۔ نومبر ۱۹۵۹ء کے آخر میں شفاخانوں کی تعداد ۱۱۴۷ تک بڑھ گئی جن میں ۱۲، شفاخانے دیہات میں تھے۔ علاوہ ازیں زچہ بچہ کی فلاح و بہبود کے ۱۳۱۸ مراکز تھے، ۲۱ میڈیکل کالج تھے اور ۶۳ دیگر تربیتی مراکز تھے جہاں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق مشورے دیے جاتے تھے۔ اب خاندانی منصوبہ بندی کے شفاخانوں اور مراکز کی تعداد ۲۰ ہزار ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۲ لاکھ اشخاص کا نس بندی کے لیے آپریشن کیا گیا ہے اور ۱۲ لاکھ عورتوں کے لوپ لگائے گئے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۵ لاکھ اشخاص مانع حمل روایتی اشیاء استعمال کرتے ہیں۔

چوتھے پلان میں خاندانی منصوبہ بندی کی اہم مدیں یہ ہیں ۵۲۰۰ پرائمری ہیلتھ سینٹروں اور ۲۹۲۰۰ ضمنی مراکز میں خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات فراہم کی جائیں۔ دیہات کی فلاح و بہبود کے لیے منصوبہ بندی کے ۲۵۰۰ مراکز اور ۲۰ ہزار ضمنی مراکز کے لیے عمارتیں تعمیر کی جائیں۔ شہری شفاخانوں کو جاری رکھا جائے اور ۲۲۴۰ شفاخانے کھولے جائیں، ۳۲۰ اضلاع میں سے ہر ضلعے میں خاندانی منصوبہ بندی کا ڈسٹرکٹ بیورو قائم کیا جائے۔ اسپتالوں میں نس بندی کے آپریشنوں اور رحم کے اندر مانع حمل اشیاء نصب کرنے کے لیے ۶ ہزار بستروں کا انتظام کیا جائے۔ عام ڈیوٹی دینے والے میڈیکل افسروں کے ساتھ کام کرنے والے ملازم رکھے جائیں اور نس بندی کے آپریشنوں کے لیے ۱۵ مرکز کھولے جائیں۔ اس کے علاوہ ۴۵ سٹیٹ فیملی پلاننگ ورکرز ٹریننگ سنٹروں کو تقویت دینے، ۴۰ ہزار نرسوں، ڈیڑھ لاکھ دائیوں اور خاندانی منصوبہ بندی کے ۴۰ ہزار مددگاروں اور بنیادی ہیلتھ ورکروں کو تربیت دینے کی تجویز بھی ہے۔ عوامی پیمانہ پر پرچار، تعلیمی پروگرام، خاندانی منصوبہ بندی کی تعلیم دینے والے اعزازی رہنماؤں اور گاؤں کی سطح پر جزوقتی کارکنوں کے تقرر پر بھی زور دیا جارہا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کی جانب ہندوستانی عوام کا رویّہ

یہ سب باتیں بالکل درست اور جائز ہیں لیکن یہ دریافت کرنا بھی بالکل مناسب ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی جانب ہندوستانی عوام خاص طور سے دیہات کے لوگوں کا کیا رویّہ ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہندوستان کے دیہاتی لوگ خدا ترس، ان پڑھ، غریب اور راسخ العقیدہ لوگ ہیں؟ وہ خاندانی منصوبہ بندی کا کس انداز میں خیر مقدم کریں گے؟

ہندوستان میں اس وقت تک خاندانی منصوبہ کی جانب رویّہ سے متعلق تقریباً ۲۷ معائنے کیے گئے ہیں۔ کلکتہ کے آس پاس ۷، دلی کے آس پاس ۵، پونا کے آس پاس ۴، بنگلور کے آس پاس ۳، کانپور کے آس پاس ۲، مدراس کے آس پاس ۲، اور لکھنؤ، لدھیانہ اور حیدرآباد کے آس پاس ایک ایک معائنے کیے گئے ہیں[۱]۔ یہ معائنے استعمال کیے گئے سوال ناموں اور اس انداز کے اعتبار سے کافی مختلف تھے جس میں پوچھ گچھ کی گئی۔ ان مطالعات کے نتائج کی بنا پر تعمیم کرنا ممکن نہیں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسے معائنوں کی ضرورت نہیں۔ بہرکیف اگر کوئی اِن مطالعات سے پالیسی مرتب کرنے کے لیے کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہے تو وہ ایسے اہم معاملات کے سلسلے میں جوابوں کی یکسانیت سے بڑی حد تک متاثر ہوگا مثلاً کتنے بچوں کی خواہش کرنی چاہیے۔ ایک بچے کی پیدائش اور دوسرے بچے کی پیدائش کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے، خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق موجودہ معلومات کتنی ہیں اور کیا استقرارِ حمل کو روکنے کے طریقے سیکھنے کی خواہش بھی ہے۔ ہندوستانی عوام کے سماجی اور مذہبی رواجوں اور زندگی کی عادات میں اختلاف کی روشنی میں یہ حقیقت بڑی حیرت انگیز ہے۔ جو لوگ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کی کامیابی میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے یہ بات بڑی حوصلہ افزا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق لوگوں کے رویّہ کے معائنے ظاہر کرتے ہیں کہ دیہات کے لوگ اگر چار بچوں کے خاندان کو آدرش خاندان تصوّر کرتے ہیں تو شہری علاقوں میں لوگ تین بچوں کے خاندان کو ترجیح دیتے ہیں۔ بہرکیف دونوں شہری اور دیہی علاقوں میں ایک بچے اور دوسرے بچے کی پیدائش کے درمیان تین

---

[۱] یہ امر ثابت کرتا ہے کہ آسام، بہار، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، راجستھان اور کشمیر میں خاندانی منصوبہ بندی کی جانب رویّہ جاننے کے لیے کوئی معائنہ نہیں کیا گیا ہے۔

حد سے بڑھنے نہ دیا جائے ورنہ اس کا نتیجہ "بُرائی اور مصیبت" کی صورت میں برآمد ہوگا۔

مالتھس نے آبادی کو روکنے کے لیے دو اقسام کی پابندیوں کا ذکر کیا ہے۔ ٹھوس اور احتیاطی۔ اس نے بتایا کہ احتیاطی پابندیوں کی اصطلاح کا مطلب ہے۔ "مصلحت اندیشی"۔ اس نے اس میں ان باتوں کو شامل کیا۔ شادی ملتوی کردی جائے اور بچے کم پیدا کیے جائیں۔ اس نے بتایا کہ ٹھوس پابندیوں کی اصطلاح کا مطلب ہے "قدرتی پابندیاں" یعنی وہ پابندیاں جو صورت حال سے خود بخود ظہور میں آتی ہیں اور اس نے ان میں جنگوں، طاعون، وباؤں، بیماریوں، قحطوں، قدرتی مصائب اور ایسے ہی دیگر مصائب کو شامل کیا۔ مالتھس نے یہ مشورہ بھی دیا کہ گزر بسر کے ذرائع کی حد سے آبادی کو بڑھنے نہ دینے کی کوششیں کرنی چاہئیں۔ ورنہ خود قدرتی پابندیاں آبادی کو مطلوبہ حدود کے اندر رکھنے کے لیے اپنا کام کریں گی۔ بہر حال "وہ بُرائی اور مصیبت" پیدا کریں گی۔

مالتھس کو اس کے خیالات کے لیے بہت خراجِ تحسین ادا کیا گیا اور اس پر شدید نکتہ چینی بھی کی گئی۔ اس کے مقالے پر مباحثہ کا طوفان اُمڈ پڑا جو مالتھس کے بعد بھی دیر تک جاری رہا اور اس مباحثہ نے اس کے پیروؤں اور اس کے مخالفوں دونوں کو آبادی کے رجحانات اور سماجی و معاشی حالات پر ان رجحانات کے اثر سے متعلق مناسب معلومات کی ضرورت کا احساس کرایا۔ اس طرح مالتھس بالواسطہ طور پر مردم شماریوں اور اہم اعداد و شمار کو فروغ دینے کا ذمہ دار تھا۔

مالتھس پر اس کے دعووں، اس کے مفروضہ اور اس کے برآمد کیے گئے نتائج کے سلسلے میں نکتہ چینی کی گئی۔ اس امر کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ انسان کے لیے خوراک ضروری ہے اور اسی طرح انسان کو پانی، کپڑے مکان اور زندگی کی دیگر اوّلین ضروریات بھی میسر آنی چاہئیں۔ اس بات کا وافر تاریخی ثبوت ملتا ہے کہ خوراک اور دیگر ضروریات کی پیداوار میں آبادی کی نسبت تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور یہ اضافہ "برائی اور مصیبت" کو بڑھانے کے واضح آثار کے بغیر ان کو کم کرنے سے عمل میں لایا گیا ہے۔ پیداوار کی تکنیکوں میں بہتری کی بدولت زمین سے اور زندگی کی اوّلین ضروریات کی پیداوار سے روز بروز زیادہ فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے۔

مالتھس ایک غلط پیغمبر ثابت ہوا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر آبادی لامثال حد تک بڑھ جائے گی تو بے پناہ مصائب نازل ہوں گے۔ لیکن اس بات کا پتہ چلا ہے کہ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں شرحِ پیدائش کم ہو گئی ہے اور کم ترقی یافتہ ممالک میں آبادی میں تیزی سے اضافہ کا بنیادی باعث یہ ہے کہ شرحِ اموات

سے چار سال تک کے وقفے کو پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق معلومات اور کچھ سیکھنے کے لیے آمادگی کے درمیان اہم ترین باہمی رشتہ تعلیم اور زندہ بچوں کی تعداد کی وجہ سے ہے ذات پات یا مذہب کی وجہ سے نہیں ہے۔ چونکہ خاندانی منصوبہ بندی کی منظم مذہبی یا سماجی مخالفت موجود نہیں ہے۔ افزائش نسل کی صلاحیت رکھنے والی عمر کے گروپ کی اس وقت جو شادی شدہ عورتیں ہیں ان میں مانع حمل اشیاء سے متعلق معلومات کا فرق دیہات میں ۱۰ سے ۲۰ فیصدی تک ہے اور شہری علاقوں میں ۲۰ سے ۳۰ فیصدی تک ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے جاننے کے لیے وہ عورتیں زیادہ آمادہ ہوتی ہیں جن کے ۴ یا چار سے زیادہ بچے ہیں اور جن کی عمر ۳۰ برس کی ہے یا اس سے زیادہ معمر ہیں۔ درحقیقت ایسی تقریباً ۷۰ فیصدی عورتوں نے خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے جاننے کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔

دلی میں جو معائنے کیے گئے ان کے دوران اس بات کا پتہ چلا کہ بدنام ساسیں خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے سیکھنے کی کوشش میں اپنی بہوؤں کے راستے میں حائل نہیں تھیں۔ چند معائنوں سے یہ پتہ چلا ہے کہ بوڑھی عورتیں دیہات میں نوجوان عورتوں کو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا سکھاتی ہیں۔ گاؤں کی دائی (ناتربیت یافتہ نرس یا دایہ) دیہات کی عورتوں کو اس موضوع پر معلومات بہم پہنچانے میں اہم پارٹ ادا کرتی ہیں۔ گاؤں کی دائیوں کے ادارے کا مناسب ڈھنگ سے استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ ان کا تعاون گاؤں کی عورتوں کے درمیان خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق معلومات پھیلانے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے

خاندانی منصوبہ بندی میں مرد عورتوں سے کم دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ حقیقت ہے کہ مرد یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کو جنم دینا اور ان کی پرورش کرنا صرف عورتوں کا کام ہے۔ مرد چونکہ خاندان سے متعلق تمام اہم فیصلے کرتے ہیں اس لیے عورتیں اس حالت میں نہیں ہوتیں کہ یکطرفہ طور پر مانع حمل اشیاء استعمال کر سکیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کی جانب مردوں کے رویّہ کو جاننے کے لیے بہت کم تحقیقات کی گئی ہیں۔ لیکن آئندہ معائنوں کے لیے یہ ایک اچھا میدان ثابت ہو گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کی عورتیں ایک ایسے شفاخانے میں جانے سے ہچکچاتی ہیں جو محض خاندانی منصوبہ بندی کے لیے مخصوص ہو۔ اگر وہ ایسے شفاخانوں میں جاتی ہیں تو وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں اور ان کے اس عمل پر گاؤں کے لوگ باتیں بناتے ہیں۔ وہ ایسے شفاخانوں کو ترجیح دیتی ہیں جہاں منصوبہ بندی کے علاوہ دیگر خدمات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ مثلاً صحت کی عام خدمت یا بچوں کی فلاح و بہبود کی سرگرمی

جب وہ ایسے شفا خانے میں جاتی ہیں تو اپنے اصل مقصد کو ہمیشہ چھپا سکتی ہیں اور گاؤں میں تشہیر اور باتوں کو ہوا دیے بغیر خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق مشورہ لے سکتی ہیں۔ لہٰذا عملی قدم کے طور پر خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق پروگرام ہندوستان میں غالباً زیادہ کامیاب ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے عام صحت کے پروگرام میں مدغم کر دیا جائے۔

خاندانی منصوبہ بندی کی جانب عوام کا رویّہ جاننے کے لیے مختلف معائنوں سے حاصل کیے گئے نتائج کی بنیاد پر تعمیم کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے جیسا کہ اوپر جائزہ لیا گیا ہے کہ ۳۵ برس سے اوپر کی عمر کی شادی شدہ عورتیں جن کے چار یا چار سے زیادہ زندہ بچّے ہیں ہر ممکن طور سے خاندانی منصوبہ بندی کا خیر مقدم کریں گی۔ لہٰذا خاندانی منصوبہ بندی کے بنیادی اصولوں میں ان کو تعلیم دینے کی کوششیں کرنی چاہئیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے مانع حمل کے سادہ اور سستے طریقے مہیّا کرنے چاہئیں۔ جب یہ عورتیں مانع حمل طریقے استعمال کرنے لگیں گی تو ایک اچھا اثر پڑے گا اور عین ممکن ہے کہ جوان عورتوں کو بھی ایسے اقدامات اپنانے کی ترغیب ملے۔

بہر کیف ابھی مردوں کے رویّہ کا کافی پتہ نہیں چلا ہے۔ تاہم معائنے چونکہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دیہات میں عورتیں ایسے موضوعات پر اپنے شوہروں سے کبھی کوئی بات نہیں کرتیں۔ مثلاً بچّوں کی پسندیدہ تعداد کیا ہے ــ مانع حمل تدابیر استعمال کرنی چاہئیں یا نہیں ــ اس لیے عین ممکن ہے کہ شوہروں کو اپنی بیویوں کے اصل احساسات کا علم ہی نہ ہوتا ہو۔ چنانچہ تعلیمی پروگرام کے نتیجے کے طور پر اگر عورتوں کو یہ ترغیب دی جائے کہ وہ ان معاملات میں اپنے شوہروں کے ساتھ کھل کر بات کریں تو عین ممکن ہے کہ شوہر بھی خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے اپنانے کی بات مان جائیں۔ بہر کیف یہ محض ایک قیاس ہے۔

لیکن ان سازگار آثار کے باوجود اُس وقت تک زیادہ کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک کہ دیہات کے عوام کے لیے سستی اور آسان مانع حمل اشیاء فراہم نہیں کی جائیں گی۔ دلی کے معائنوں نے ظاہر کیا ہے کہ گاؤں کی عورتیں مانع حمل اشیاء پر ۲۵ پیسے سے لیکر ۳۲ پیسے ماہوار سے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہتیں۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ مانع حمل اشیاء ان کو مفت دی جائیں۔ طریقہ کار بھی سادہ اور آسان ہونا چاہیے۔ ہندوستان میں محفوظ ایام والے طریقہ کی ناکامی کا سبب یہ ہے کہ یہ طریقہ پیچیدہ ہے۔ رحم کے اندر نصب کی جانے والی مانع حمل شے (لوپ) جو ۱۹۶۵ء سے ہندوستانی عورت کو

فراہم کی گئی ہے سستی اور آرام دہ ہے۔ اسے جب ایک دفعہ نصب کر دیا جاتا ہے تو وہ کئی سال تک اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ یہ مؤثر بھی ہے۔ چونکہ لوپ جب اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے تو حمل ٹھہرنے کے بہت کم واقعات ہوتے ہیں۔ لوپ کی یہ کوتاہی ہے کہ زیادہ تر عورتوں میں لمبے عرصے تک خون بہتا رہتا ہے۔ خون کیوں جاری رہتا ہے اس کا اصل سبب ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا لیکن بہت سی عورتیں خوفزدہ ہو جاتی ہیں۔ اس بات کا بھی پتہ چلا ہے کہ ہندوستان میں ۱۲ فیصدی عورتیں جو لوپ لگواتی ہیں ایک سال کے استعمال کے بعد لوپ اتروا دیتی ہیں چونکہ دیر تک خون جاری رہتا ہے، بدن میں درد ہوتا ہے اور دیگر پریشانیاں ہوتی ہیں۔ دیگر ۱۰ فیصدی حالتوں میں لوپ خود بخود اتر جاتا ہے۔ عورتوں کو یہ مناسب تعلیم دینے کی ضرورت ہے کہ لوپ کے لگائے جانے کے بعد خون کیوں بہتا ہے اور بدن کیوں درد کرتا ہے۔ لوپ کے نصب کیے جانے کے بعد بھی مناسب دیکھ بھال ضروری ہے۔ کم سے کم دو بار ایسی عورت کے گھر جانا چاہیے۔ لوپ لگانے کے پندرہ دن بعد اور پھر ایک مہینے کے بعد اس کے گھر جانے کا انتظام کرنا چاہیے۔

مانع حمل اشیاء کہاں تک مؤثر ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ حمل روکنے کے سادہ، محفوظ ترین، سستے اور معتبر طریقوں کا فراہم کیا جانا ہی آبادی کی روک تھام کے مسئلے کو حل نہیں کر سکے گا۔ لوگوں کو مناسب ڈھنگ سے اور باقاعدگی کے ساتھ مانع حمل اشیاء کے استعمال کی ترغیب اور تربیت دینی ہوگی۔ یہ بات جانی پہچانی ہے کہ مانع حمل شے کی افادیت اسے استعمال کرنے والے کی سماجی اور معاشی خصوصیات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً اس کی آمدنی، اس کی تعلیم اور اس کی ملازمت کا رتبہ وغیرہ۔ مانع حمل شے کی افادیت اس کے استعمال سے متعلق ہدایات کی نوعیت اور اسے استعمال کرنے والوں کی عضویاتی اور نفسیاتی نوعیت۔ ان کے ازدواجی رشتے اور حمل کو روکنے کے لیے انسان کی فوری خواہش کے مطابق بھی بدل جاتی ہے۔ لہٰذا یہ توقع رکھنی چاہیے کہ لوگوں کے مختلف گروپ ایک جیسی مانع حمل شے کے استعمال میں مختلف درجے کی کامیابی حاصل کر پائیں گے۔

ایک لیبارٹری کے حالات میں تمام مانع حمل اشیاء تقریباً سو فیصدی مؤثر ہیں لیکن اصل عمل میں شاید اس لیے کہ اسے استعمال کرنے والے احتیاط کے ساتھ مشورے پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ یا شفاخانہ کے عملے کے اراکین مناسب مشورہ نہیں دے پاتے ہیں عورتیں حاملہ ہو جاتی ہیں۔ ان حقائق کی بنا پر یہ تسلیم کرنا خطرناک ہے کہ اگر ایک

ملک میں مانع حمل کوئی شے مؤثر ثابت ہوئی ہے تو دوسرے ملک میں بھی مؤثر ثابت ہوگی۔

ہندوستان میں دو مطالعات ایسے ہیں جن میں مانع حمل اشیاء کی افادیت اور کامیابی پر بحث کی گئی ہے۔ دلی کے مطالعہ[1] میں دلی کے کنٹری بیوٹری ہیلتھ سروس اسکیم والے شفاخانوں کی فہرست میں شامل لوگوں میں سے وہ لوگ لیے گئے جو درمیانہ کارکن طبقات کے درمیانی آمدنی والے گروپ کے افراد تھے۔ رپورٹ میں جن مریضوں کا مطالعہ کیا گیا ان کے خاندان کی اوسط آمدنی ۲۱۴ روپے تھی۔ مریض زیادہ تر خواندہ لوگ تھے ۸۹ فیصدی عورتیں اور ۹۹ فیصدی مرد پڑھ لکھ سکتے تھے۔ ان شفاخانوں میں پہلی بار نام لکھوانے کے وقت عورتوں کی اوسط عمر کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ وہ ۲۷ برس تھی اور ان کے شوہروں کی اوسط عمر ۳۲ سال تھی۔ ان شفاخانوں میں پہلی بار نام لکھوانے کے وقت ہر جوڑے کی شادی ہوئے اوسطاً دس سال کے لگ بھگ ہو چکے تھے۔ عورتیں اوسطاً ۴٫۱ بار حاملہ ہو چکی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ان کے یہاں ۳٫۶ زندہ بچے پیدا ہوئے تھے اور اوسطاً ۳٫۲ بچے زندہ تھے۔

یہ مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ شفاخانے نے جن مانع حمل اشیاء کا مشورہ دیا تھا ان کے استعمال کے ذریعے وہ استقرارِ حمل کے خطرے کو ۸۴ فیصدی تک کم کر چکے تھے۔ ان پڑھ مریضوں کے ہاں بھی جو ثانوی تعلیم کی سطح تک نہیں پہنچے تھے، جن کی آمدنی ۲۰۰ روپے ماہوار یا اس سے بھی کم تھی اور جو حکومت میں کلرکوں اور چپڑاسیوں کی حیثیت سے ملازم تھے۔ استقرارِ حمل کی شرح ۱۴ تھی جبکہ ان کے مقابلے میں اچھی تعلیم بہتر ملازمت اور اچھی آمدنی والے مریضوں کے ہاں استقرار حمل کی شرح ۱۰ تھی۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ قلیل تنخواہ والے اشخاص بھی مانع حمل اشیاء کے ذریعہ کافی کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ یہ بات بڑی حوصلہ افزا ہے چونکہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اگر لوگوں کو مانع حمل اشیاء استعمال کرنے کی ترغیب دینے کے طریقے تلاش کئے جائیں تو استقرارِ حمل کے خطرے کو کافی حد تک کم کر دینا ممکن ہو سکتا ہے۔

بڑا مسئلہ تو لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی کے راستے پر چلنے کی ترغیب دینا ہے۔ ہماری ۸۰ فیصدی آبادی چونکہ ۵½ لاکھ دیہات میں رہتی ہے اس لیے خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق شفاخانوں یا پرائمری

---

[1] ایس۔ این۔ اگروال کی کتاب "مانع حمل اشیاء کے ذریعے افزائشِ نسل کی روک تھام" اور "دلی کے بڑے شہر میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق شفاخانوں کا مطالعہ"۔ ان کتابوں کو نئی دلی میں ڈائریکٹوریٹ آف جنرل ہیلتھ سروسز حکومت ہند نے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔

ہیلتھ سنٹروں کے ذریعہ دیہاتی لوگوں کو علاج معالجہ اور خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات مہیا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا شفاخانہ والا نظریہ ترک کرنا پڑے گا۔ اور ہمیں چلتے پھرتے شفاخانوں کی بات سوچنی پڑے گی جو ہر گاؤں میں ایک ہفتے میں ایک بار جا سکیں اور مانع حمل تدابیر کا مشورہ دے سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی ورکروں یا خاندانی منصوبہ بندی کے ورکروں کی ٹیمیں دیہات میں بھیجنی پڑیں گی تاکہ وہ خاندان کے سائز کو محدود رکھنے کی لوگوں کو ترغیب دے سکیں۔ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق لوگوں کے رویے کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ بیشتر عورتیں جن کے چار یا چار سے زیادہ بچے ہیں خاندانی منصوبہ بندی کا مشورہ قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ عورتیں افزائش نسل کی عمر کے گروپ کی ۱۰ کروڑ عورتوں میں سے ۳ کروڑ ہیں۔ یہ عورتیں چند میل کی مسافت طے کرکے خاندانی منصوبہ بندی کے شفاخانہ یا صحت کے ابتدائی مرکز تک جا کر حمل کی روک تھام سے متعلق مشورہ لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا چلتے پھرتے شفاخانوں کے ذریعے دیہات میں ان عورتوں تک پہنچنے کی کوششیں کرنی ہوں گی۔ ان سہولتوں کا جال بچھانے کی فوری ضرورت ہے مانع حمل اشیاء کی تقسیم کی سہولتوں کو فروغ دینے کی بھی ضرورت ہے تاکہ جن لوگوں کو مانع حمل اشیاء کی ضرورت ہے وہ آسانی سے ان کو حاصل کر سکیں۔ ایک بار اگر ایسا جال بچھا دیا گیا تو اس بات کی بڑی امید ہے کہ ترقی کی رفتار تیز تر ہو جائے گی۔ اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر خرچ کیے گئے ۵۰ روپوں کا فائدہ ملک کی معاشی ترقی پر خرچ کیے گئے ۵۰۰ روپوں کے برابر ہے۔ لہٰذا ہندوستان میں شرح پیدائش کو برق رفتاری سے کم کرنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے جانے چاہئیں۔

گوشوارہ ۱۴

۱۹۶۵ء تک خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق پروگرام کی رفتارِ ترقی

خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق شفاخانے	
شہر	۱۹۰۷
دیہات	۱۳۹۰۱
نس بندی کے آپریشن	۱۳،۰۰،۰۰۰
رحم کے اندر لگائی گئی مانع حمل اشیا کی تعداد	۹،۰۰،۰۰۰

تیار کیے گئے ٹوپوں کی تعداد

آبادی کی کونسل	۱۲٫۰۰٫۰۰۰
کانپور فیکٹری	۴٫۴۷٫۰۵۵
۱۹۶۵ء تک صوبوں کو سپلائی کیے گئے ٹوپوں کی کل تعداد	۱۱٫۷۱٫۴۴۰

رحم کے اندر لگائی جانے والی مانع حمل اشیاء

کانپور فیکٹری	۱۰٫۰۰۰ سالانہ

ربڑ کی مانع حمل اشیاء

لنڈن ربڑ کمپنی مدراس	۳ کروڑ سے ۳½ کروڑ تک سالانہ
کیرل میں پبلک سیکٹر فیکٹری	ابھی شروع ہونے والی ہے

ربڑ کی مانع حمل اشیاء کی درآمد

گورنمنٹ کی طرف سے	۵ لاکھ
نجی اداروں کی طرف سے	۷٫۶۶ لاکھ

مختلف عہدوں پر اراکین۔

ہیڈ کوارٹر

فیملی پلاننگ کمشنر	(۱)
اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل فیملی پلاننگ	(۲)
سیکشن آفیسر	(۲)
محقق (انویسٹیگیٹر)	(۵)
پراپیگنڈہ اسسٹنٹ	(۱)
ٹیکنیکل اسسٹنٹ	(۸)
اسسٹنٹ	(۴)

علاقائی دفاتر:	اراکین	
مشرقی (کلکتہ)	اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل فیملی پلاننگ	(۶)
شمالی (لکھنؤ)	انویسٹیگیٹر	(۶)
شمال مغربی (چنڈی گڑھ)	ٹیکنیکل اسسٹنٹ	(۶)
وسطی (بھوپال)	اسٹینوگرافر	(۶)
مغربی (بڑودہ)	ایل۔ ڈی۔ سی	(۶)
جنوبی (بنگلور)	ڈرائیور	(۶)
	چوکیدار	(۶)
	خاکروب	(۶)
خاندانی منصوبہ بندی کے اعزازی لیڈر	ضلع	۱۴۴
	زونل	۷
	علاقائی	۱۵
	اداراتی	۷
اورینٹیشن کیمپ		۳۲۲۰
خاندانی منصوبہ بندی سے تعلق ورکروں کی تربیت کے مراکز۔	مراکز	۱۹
	تربیت پانے والے ورکروں کی تعداد	۴۲۰۱۷
	ڈاکٹر	۷۶۵۹
	دایہ	۳۴۳۵۸

گوشوارہ ۴۲

پلانوں کی مدت کے دوران خاندانی منصوبہ بندی کے لیے مخصوص کی گئی رقوم

۱	پہلا پلان ۲	دوسرا پلان ۳	تیسرا پلان ۴	چوتھا پلان ۵
۱۔ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے رقوم (کروڑ روپے میں)	۰۶۷	۵۶۰	۰۶۲۷	۲۲۹۶۳
۲۔ پلانوں کی کل رقوم میں خاندانی منصوبہ بندی کے لیے رقوم کا فیصد تناسب	۰۶۰۳۶	۰۶۱۰۹	۰۶۳۶۰	۱۶۴۳
۳۔ صحت اور خاندانی منصوبہ بندی کے لیے کل رقوم میں خاندانی منصوبہ بندی کے لیے رقم کا فیصد تناسب	۰۶۵۰	۲۶۲۲	۷۶۸۹۹	۳۱۶۸
۴۔ پلان کی مدت کے دوران ایک شخص کے لیے خاندانی منصوبہ بندی پر خرچ کی جانے والی رقم (روپوں میں)	۰۶۱۸	۰۶۱۲۰	۰۶۵۸۱	۴۶۴۰
۵۔ صحت اور خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق کل رقوم (کروڑ روپوں میں)	۱۴۰	۲۲۵	۳۴۱۶۸	۸۵۷
۶۔ پلان کی کل رقوم میں صحت اور خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق رقوم کا فیصد تناسب	۷۶۱۴	۴۶۸۹	۴۶۵۶	۴۶۵۱
۷۔ پلان کی مدت کے دوران ایک شخص کیلئے رقم (روپوں میں)	۳۶۷۲	۵۶۴۰	۷۶۳۵	۱۳۶۸۴
۸۔ پلان کی مدت کے دوران ایک شخص کیلئے میڈیکل ٹریننگ اور تحقیق پر صرف ہونے والی رقم (روپوں میں)	۰۶۵۷۴	۰۶۸۶۳	۱۶۲۱۱	۳۶۴۲۲
۹۔ پلان کی مدت کے دوران ایک شخص کے لیے اسپتالوں اور شفاخانوں پر خرچ ہونے والی رقم۔ (روپوں میں)	۰۶۶۶۵	۰۶۸۶۳	۱۶۳۲۷	۳۶۴۷۴

گوشوارہ ۴۳

خاندانی منصوبہ بندی کی تربیت اور تعلیم کے پروگرام کی رفتارِ ترقی

صوبہ	تربیتی مراکز کی تعداد: نشانہ	تربیتی مراکز کی تعداد: کام کرنے والے مراکز کی تعداد	تربیت کا پروگرام — ان اشخاص کی تعداد جن کو یہ ٹریننگ دی گئی — طویل المدت کورس: ڈاکٹر	طویل المدت کورس: دیگر اشخاص	قلیل المدت کورس: ڈاکٹر	قلیل المدت کورس: دیگر اشخاص	آنریری ڈسٹرکٹ فیملی پلاننگ ایجوکیشن لیڈر: نشانہ	لیڈر: مقرر کیے گئے لیڈروں کی تعداد	تعلیمی پروگرام اور اینیشن کیمپ: لگائے گئے کیمپوں کی تعداد	کیمپ: مشورہ حاصل کرنے والے لوگوں کی تعداد
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۱. آندھرا پردیش	۴	۲	۱۸	۱۴۳	-	-	۲۰	۶	۴۰۵	۱۶۲۰۰
۲. آسام	۱	۱	۴۷	۱۱۶	۷۲	۵۶۵	۱۱	۲	۱۷	۱۸۰۸
۳. بہار	۵	-	-	-	۴۶۴	۱۶۳۷	۱۷	۴	۸۷	۵۵۹۵
۴. گجرات	۲	۲	۲۳	۸۳۹	۴۹۳	۳۸۱	۱۷	۸	۱۴۲	۱۴۱۴۲
۵. جموں اور کشمیر	-	-	۱۹	۵	۰	-	۹	-		
۶. کیرل	۲	۱	-	۷۵۸	۷۷	۴۳	۹	۷	۱۱۶	۶۸۴۰
۷. مدھیہ پردیش	۳	۲	۱۸۵	۴۳۷	-	۳۶۸۹	۴۳	۲۳	۴۸۳	۳۱۸۰۶۶
۸. مدراس	۳	۱	۲۰۰	۱۰۷۵	۱۹۷	۱۵۴۱	۱۳	۴	۴۸۱	۱۸۲۴۰
۹. مہاراشٹر	۴	۲	۴۴۱	۱۴۰۰	۲۷۸۳	۴۲۸۱	۲۶	۹	۴۸۱	۱۹۲۴۰
۱۰. میسور	۲	۲	۲۷۶	۳۰۷	-	۵۸۵	۱۹	۴	۱۲۹	۱۱۰۵۲
۱۱. اڑیسہ	۲	۱	۲۷۰	۱۰۶	-	۱۰۷۲	۱۳	۱۰	۵	۲۴۰

گوشوارہ ۳۴ (جاری)

	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۱۲۔ پنجاب	۲	۲	۲۱	۶۲۹	۱۴۰	۵۱۱۱	۱۹	۱۸	۶۴۴	۴۷۱۳۷
۱۳۔ راجستھان	۲	۱	۲۱۴	۲۷۱	۵۲۱	۱۳۳۴	۲۶	۱۵	۳۳۶	۲۰۱۶۰
۱۴۔ اترپردیش	۷	۱	۱۲	۹۸۷	۳۹۰	۶۱۲۵	۵۴	۱۵	۲۲۹	۱۴۶۱۰
۱۵۔ مغربی بنگال	۴	۱	۶۹۵	۴۰۳	۷۴	۴۴۲	۱۶	۱۲	۱۳۲	۸۱۵۸
۱۶۔ انڈمان اور نکوبار جزائر	۔	۔	۔	۔	۔	۔	۱	۔	۔	۔
۱۷۔ دلی	این۔اے	۔	این۔اے	این۔اے	۱۰	۳۵	۱	۔	این۔اے	این۔اے
۱۸۔ ہماچل پردیش	۔	۔	۱۰	۳۶	۔	۔	۶	۵	۱۱	۵۰۰
۱۹۔ منی پور			۔	۔	۳	۵	۱	۔	۔	
۲۰۔ پانڈیچری	۱	۔	۔	۔	۔	۔	۴	۱	۳	۶۰۰۰
۲۱۔ تری پورہ			۔	۔	۔	۔	۱	۔	۔	۔
۲۲۔ این۔ایم۔اے جزائر			۔	۔	۔	۔	۱	۔	۔	۔
۲۳۔ گوا			۔	۔	۔	۔	۳	۔	۔	۔
۲۴۔ ناگالینڈ			۔	۔	۔	۔	۳	۔	۔	۔
۲۵۔ نیفا			۔	۔	۔	۔	۱	۔	۔	۔
۲۶۔ دیگر وزارتیں			این۔اے	این۔اے	این۔اے	این۔اے ۔	۔	۔	۔	۔
کل	۴۴	۱۹	۲۴۳۱	۷۵۱۲	۵۲۲۸	۲۶۸۴۶	۳۳۴	۱۴۴	۳۲۲۰	۳۸۹۷۳۱

کم ہوئی ہے اور یہ اضافہ مالتھس کے اس خوف کی وجہ سے نہیں ہوا کہ شرحِ پیدائش بڑھ جائے گی۔

مارکس نے مالتھس کے نظریۂ آبادی کو رد کر دیا۔ مارکس نے یہ رائے دی کہ آبادی کا کوئی بھی عالمگیر اصول نہیں ہے اور "کثرتِ آبادی" کا ماخذ افزائشِ نسل سے متعلق انسان کی حیاتیاتی قوت میں نہیں ملتا ہے بلکہ اس وقت کے پائے جانے والے سرمایہ دارانہ طریقۂ پیداوار میں ملتا ہے۔ آبادی کی کثرت اس لیے رونما ہوتی ہے کہ محنت کش آبادی کی نسبت سرمایہ کم تیزی سے جمع ہوتا ہے۔ مارکس کی رائے کے مطابق فاضل آبادی نہ صرف سرمایہ کے جمع ہونے کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے بلکہ معاشی تنظیم کی سرمایہ دارانہ تشکیل کے وجود اور اس کے تسلسل کے لیے ایک ضروری شرط بھی ہوتی ہے۔

یہ ادراک کہ مالتھس نے ایک خاص حالت کی ضرورت سے زیادہ تعمیم کی ہے آبادی کے مسئلے کے متعلق از سرِ نو غور و فکر کا باعث بنا۔ موجودہ صدی کے اوائل میں مصنفین نے یہ سوچنا شروع کیا کہ آبادی میں اضافہ ہمیشہ ناپسندیدہ نہیں ہوتا۔ اس نے ساز گار آبادی کے نظریہ کو فروغ دیا جو پروفیسر کینن اور دیگر اصحاب کے نام سے منسوب ہے۔

اس نظریہ میں کہا گیا ہے کہ اپنے قدرتی ذرائع اور پیداوار کی تکنیک کے اعتبار سے جو آبادی فی کس زیادہ سے زیادہ پیداوار فراہم کرتی ہے وہ ساز گار آبادی ہوتی ہے۔ کینن نے کل ملا کر تمام صنعتوں کے لیے زیادہ سے زیادہ آمدنی فراہم کرنے کا نکتہ پیش کیا۔ یعنی آبادی کو چاہیے کہ وہ پیداواری صلاحیت کو زیادہ سے زیادہ بڑھائے۔ اس نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا کہ آبادی کی ساز گار اور موافق جسامت حالات کے تغیّر اور پیداوار کی نئی تکنیکوں کے رائج ہونے سے بدلتی رہتی ہے۔

ساز گار آبادی کی واضح تعریف پیش کرنے کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تصوّر کو نکھارا اور سنوارا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نظریہ پر نکتہ چینی بھی کی گئی کہ عملی اعتبار سے اس نظریہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس بات کو انتہائی مصنوعی سمجھا جاتا ہے کہ "اوسط حقیقی آمدنی" کا انتخاب ہی ساز گار آبادی کی واحد کسوٹی ہے۔ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ علمِ معیشتِ حیوانات کے اعتبار سے اور سیاسی اور دیگر نقطہ ہائے نظر کے لحاظ سے آبادی کی جسامت ساز گار ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ پیداوار کی تکنیکوں میں تبدیلیوں کے باعث آبادی کے ساز گار سائز میں بھی اکثر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں

عبوری نظریہ جسے اس صدی کی ۱۹۳۰ء سے شروع ہونے والی دہائی میں فروغ دیا گیا اور جو

چودھواں باب

خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق توسیعی نظریہ

گزشتہ باب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ہندوستانی عوام کے رویّہ میں تبدیلی لانے کی فوری ضرورت ہے تاکہ وہ چھوٹے خاندان کے آدرش کو قبول کریں۔ یہ تبدیلی سرگرمیوں کے مربوط مجموعہ کی بدولت لائی جا سکتی ہے جن میں تعلیم اور مواصلات کی انتہائی مؤثر تکنیکیں استعمال کی جائیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ لوگ جب ایک نئے خیال کے بارے میں کچھ سن لیتے ہیں تو فوراً ہی اُسے شاذونادر قبول کرتے ہیں۔ اس خیال کو پہلی بار آزمانے سے پہلے وہ کئی سال لگاتے ہیں اور اُسے مستقل طور پر آزمانے سے پہلے اور بھی زیادہ وقت لیتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ لوگ اُس نئے خیال کو قبول کریں ان کو پرچار اور اشتہاروں کے ذریعے اس نئے خیال سے آگاہ کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ اس خیال سے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے میں دلچسپی لینے لگتے ہیں تو وہ جمع کی گئی معلومات کی بنا پر اس خیال کی افادیت کا جائزہ لیتے ہیں، اسے آزماتے ہیں اور جب ان کا اطمینان ہو جاتا ہے تو باقاعدہ استعمال کے لیے اسے اپنا لیتے ہیں۔ پانچ مراحل والے اس طریقۂ کار کا اتنا سخت اور کڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ طریقۂ کار ثابت کرتا ہے کہ کسی خیال کی آگاہی اور اس کے اپنائے جانے میں وقت لگتا ہے اور ہر شخص کے سلسلے میں یہ وقت مختلف ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام لوگ بیک وقت ایک نئے عمل کو نہیں اپناتے ہیں۔ جب ایک شخص نئے عمل کو اپنانے کا فیصلہ بھی کر لیتا ہے اور اپنے جاری عمل میں اسے سمو بھی لیتا ہے تو یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اسے غیر معین عرصے کے لیے جاری رکھے گا۔ لہٰذا اُن لوگوں میں بھی پرچار کی ضرورت ہوتی ہے جو اس وقت ایک نئے عمل کو اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں لوگوں کا رویّہ بدلنے کے لیے مواصلات اور بنیادی خصوصیت کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے تیسرے پنجسالہ پلان میں ان باتوں کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ (۱) خاندانی منصوبہ بندی کو مقبول بنانے کے لیے تعلیم کی مہم (۲) دیہات اور شہروں کے علاقوں میں معلومات بہم پہنچانے اور پرچار کا پروگرام اور (۳) خدمت اور مانع حمل اشیا کی سپلائی کا مناسب انتظام۔ تیسرے پنجسالہ پلان میں اس بات

کی طرف اشارہ کیا گیا:۔

"ایک مناسب وقت تک آبادی کی نشوونما کو ایک سطح پر برقرار رکھنے کا مقصد منصوبہ بند ترقی کا مرکزی خیال ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں تیسرے پنجسالہ پلان میں اور اس کے بعد آنے والے پنجسالہ پلانوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام پر زور دینا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے دیہی اور شہری علاقوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے وسیع پیمانے پر اور چارسُو پھیلی ہوئی عوامی کوششوں کی بدولت تعلیم کا انتھک کام کرنا ہوگا اور سہولتیں اور مشورے بہم پہنچانے ہوں گے۔ ملک کی جو صورتِ حال ہے اس میں خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانا ہی پڑے گا۔ نہ صرف ایک بڑے ترقیاتی پروگرام کے اعتبار سے بلکہ ایک ملک گیر تحریک کے لحاظ سے بھی جس میں فرد خاندان اور برادری کے لیے بہتر زندگی کی جانب بنیادی رویہ مادی صورت میں مضمر ہو۔" [1]

۱۹۶۳-۶۴ء میں ہند سرکار نے خاندانی منصوبہ بندی کے تمام پروگرام کا جائزہ لیا اور ایک نئے نظریہ کا مشورہ دیا جسے "توسیعی نظریہ" کہا جاتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق بورڈ نے اس نئے نظریہ کی منظوری دی اور سرکار نے اسے اپنا لیا۔

"توسیعی" نظریہ

توسیعی تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے گروہوں کو خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق معلومات حاصل کرنے میں مدد دی جائے تاکہ وہ ایسے نئے معیاروں اور رویوں کو پروان چڑھا سکیں جو ان کے لیے سازگار ہوں۔ توسیعی نظریہ اس مقصد کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ لوگوں کے رویہ کو متاثر کیا جائے تاکہ وہ مقررہ پروگرام کے مطابق اپنی مرضی سے عمل کریں۔ یہ پروگرام ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ انھیں کیا کرنا ہے بلکہ انھیں اس بات میں مدد دینا ہے کہ وہ خود یہ پتہ چلائیں کہ ان کی اپنی ضروریات کیا ہیں۔ اس پروگرام میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق کارکن کو اہم پارٹ ادا کرنا ہوگا۔ وہ کارکن ایک عامل ہوتا ہے اور ایسی صورت حال پیدا

---

[1] پلاننگ کمیشن۔ تیسرا پنجسالہ پلان۔ صفحہ ۶۷۵

پیدا کرتا ہے جو اس بات کے لیے "لوگوں کی مدد کرنے کے لیے سازگار ہوتی ہے کہ وہ اپنی مدد آپ کریں" خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق کارکن لیڈر نہیں بنتا بلکہ وہ مقامی لیڈروں اور اداروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔

مقصد

ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق پروگرام میں اس مقصد کا اعلان کیا گیا تھا کہ شرحِ پیدائش کو جلد از جلد ایک ہزار کے پیچھے ۲۵ تک کم کردیا جائے گا۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کارگزاری کی اس منزل کا مشورہ دیا گیا کہ ہندوستان کی ۹۰ فیصدی شادی شدہ آبادی کے لیے تین بنیادی شرائط فراہم کی جائیں جو خاندانی منصوبہ بندی کو قبول کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ وہ تین بنیادی شرائط یہ ہیں:۔ (ا) چھوٹے خاندان کے آدرش کی منظوری، (ب) خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کا علم اور (پ) مانع حمل اشیاء کی آسان دستیابی اور خدمت کی مناسب سہولتیں۔ ان پر ذیل میں بحث کی گئی ہے۔

(ا) اجتماعی منظوری:۔ ہر شخص کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ جس سماج یا برادری میں وہ رہتا ہے، اس نے ایک گروپ کی حیثیت سے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ چھوٹے خاندان کا ہونا برادری کے ممبروں کے لیے پسندیدہ رویہ ہے اور یہ رویہ مثالی بھی ہے۔ اس قسم کے اجتماعی احساس کے بغیر شادی شدہ جوڑے خاندانی منصوبہ بندی کو اختیار کرنے سے ہچکچائیں گے۔ اس قسم کا احساس رکھتے ہوئے بیشتر شادی شدہ جوڑے گروپ کی مثال کے مطابق عمل کرنے کے لیے ضروری علم حاصل کرنے کی خاطر آگے بڑھیں گے۔

(ب) **خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق معلومات**:۔ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق دو اقسام کی معلومات چاہئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ چھوٹے خاندان کا ہونا محض اس وجہ سے بیش قیمت نہیں کہ ان کو گروپ کی مثال کی پیروی کرنا ہے بلکہ اس لیے بھی بیش بہا ہے کہ چھوٹا خاندان معاشی خوشحالی اور اچھی صحت کو تقویت دینے کا حربہ بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے کو حمل کی روک تھام کے مختلف طریقوں کا اور ان کے مفید ہونے کا علم ہونا چاہیے۔

(پ) اشیاء کی دستیابی:۔ ہر شادی شدہ جوڑا جو مانع حمل اشیاء چاہتا ہے اس پوزیشن میں ہونا چاہیے کہ وہ اسے آسان جغرافیائی فاصلے کے اندر حاصل کرسکے۔ ان سے کوئی سوالات نہ پوچھے جائیں

اور راہ میں دیگر نفسیاتی رکاوٹیں حائل نہ ہوں مثلاً پریشانی، دیر تک انتظار اور خلوت کی کمی۔

مجوزہ پروگرام

اس پروگرام میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ چھ بنیادی سہولتوں کو فروغ دیا جائے۔ دو سہولتیں مقدم ہیں اور باقی امدادی ہیں۔ دو مقدم سہولتیں حسب ذیل ہیں:۔

(ا) اجتماعی تعلیمی کام اور

(ب) ایسے راستوں سے مانع حمل اشیاء سپلائی کی جائیں جن پر کم سے کم نفسیاتی یا دیگر رکاوٹیں حائل ہوں۔

چار امدادی سہولتیں حسب ذیل ہیں:۔

(ا) خاص حالتوں میں امداد کے لیے شفاخانہ کی خدمت کا انتظام

(ب) اعداد و شمار کے لیے پروگرام کا انتظام جس کا اثر افزائش نسل پر پڑتا ہو۔

(پ) مجموعی انتظامی تال میل اور

(ت) تربیت کی سہولتیں۔

(ا) اجتماعی تعلیمی پروگرام:۔ اس بات کا پتہ چلا ہے کہ برادری اپنی کوششوں سے اپنے ممبروں پر جو اثر ڈالتی ہے وہ باہر کے لوگوں کی انفرادی ہدایات کے اثر سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ "توسیعی نظریہ" کا مقصد یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن میں گروپ کے دباؤ کی قوتوں کو منظم کیا جا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آبادی کے مختلف ضمنی گروپوں کے درمیان بارسوخ لیڈروں کے لیے ایسے طریقوں کو فروغ دیا جائے جو علم حاصل کرنے اور اپنے گروپوں کے درمیان چھوٹے خاندان کے اکثر رشتوں کو فروغ دینے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کریں اور دیگر گروپوں کے درمیان خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کو سرگرمی سے تقویت دینے کے لیے ان کی امداد کریں۔ یہ نظریہ نہ صرف تبدیلیاں لانے میں موثر ہے بلکہ یہ ایک اکیلے کارکن کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ انفرادی کوششوں کی بدولت زیادہ سے زیادہ لوگوں کے پاس پہنچ سکے۔

ایسے گروپوں مثلاً پنچایت سمیتیوں، گاؤں کی ترقیاتی کمیٹیوں اور دیگر اداروں کو ذمہ داری سونپنا ممکن ہے۔ یہ گروپ لوگوں کو تعلیم دینے، ترغیب دینے اور مانع حمل اشیاء تقسیم کرنے کے لیے ذمہ داری اپنے اوپر لے سکتے ہیں۔

(ب) مانع حمل اشیاء کی سپلائی: وسیع پیمانے پر خاندانی منصوبہ بندی کو قبول کر لیے جانے کا ضمنی نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ مانع حمل اشیاء آسانی سے دستیاب ہونی چاہئیں۔ مانع حمل اشیاء کی سپلائی کا انتظام گاؤں کی پنچایتوں، دایاؤں اور مقامی ڈپو ہولڈروں کے ذریعے کیا جانا چاہیے اور گاؤں کی صحت کی ترقی سے متعلق مختلف ورکروں کے ذریعہ کیا جانا چاہیے۔ ریکارڈ رکھنے کے طریقے بہت کم کر دینے چاہئیں۔

(پ) علاج معالجے کی خدمات: خاندانی منصوبہ بندی کے شفاخانوں کے فرائض کو واضح طور پر بیان کرنا ہوگا تاکہ شفاخانوں میں آنے والے لوگوں کی تعداد کی بناء پر ہی اس پروگرام کی کامیابی کا اندازہ نہ لگایا جائے۔ عورتوں کو شفاخانے کی خدمت مہیا کرنے کے لیے زچہ اور بچہ کی صحت کے موجودہ مراکز کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جانا چاہیے۔ شفاخانے کے بیرونی حلقے میں امدادی نرسوں اور دایاؤں کو چاہیے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کو تقویت دیں۔

(ت) اعداد و شمار کا جائزہ: خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے اثر کے جائزے کا بالآخر دارومدار افزائش نسل کی صلاحیت میں تبدیلیوں کا پتہ لگانے پر ہے۔ اس قسم کا تخمینہ خاص طور سے اس وقت ضروری ہے تاکہ ان مختلف نظریات کی تقابلی کامیابی کا پتہ چلایا جا سکے جو ہندوستان کے مختلف حصّوں میں شروع کیے گئے ہیں۔ بلاک کی سطح پر کارکن چونکہ پیدائشوں کا پتہ لگانے کے اچھے مواقع رکھتے ہیں اس لیے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ بلاک کی سطح پر کمپیوٹر رکھے جائیں جو گاؤں کے رجسٹر اور دیگر ذرائع سے اہم اعداد و شمار کی معلومات فراہم کریں۔

(ٹ) انتظامی تال میل: خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کا یہ مقصد ہے کہ چھوٹے خاندان کی جانب عوام کی حرکت کو تیز تر کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک مربوط انتظامی عملہ ضروری ہے۔ ہیلتھ ایڈمنسٹریشن کے صوبہ، ضلع اور بلاک کی سطح پر عملہ کو بھی مضبوط بنانا ضروری ہے۔ ضلع کی سطح پر خاندانی منصوبہ بندی کے میڈیکل آفیسر، ایک تربیت یافتہ توسیعی معلّم جو ڈاکٹر نہ ہو اور عملہ کے دیگر اراکین کی ضرورت ہوگی۔ بلاک کی سطح پر ایک تربیت یافتہ توسیعی معلّم، خاندانی منصوبہ بندی کے متعدد میدانی کارکنوں اور امدادی نرسوں اور دایاؤں کی طرز کے عملے کی ضرورت ہوگی۔

متذکرہ بالا ادارہ کے فروغ کا تقاضہ یہ ہوگا کہ ضروریات کے مطابق تربیت کے نظاموں کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیا جائے گا اور ان کو مضبوط بنایا جائے گا۔ اتنے بڑے پروگرام پر عملدرآمد کے لیے

تربیت یافتہ عملہ دستیاب نہیں ہے اور اچھّی طرح تربیت یافتہ لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دیہات میں جانا نہیں چاہتے۔ یہ کام اتنا خوفناک نہیں رہے گا اگر ابتدا میں صرف ایک یا دو اضلاع کو منتخب کیا جائے گا اور عملے کے اراکین کے لیے تمام ضروری سہولتیں اور تحریکیں مہیا کی جائیں گی۔ جب مزید تربیت یافتہ کارکُن مل جائیں تو پھر اس پروگرام کو دیگر اضلاع اور بتدریج سارے صوبہ میں توسیع دی جائے۔

نئے پروگرام کا اصل مقصد یہ تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کے کام کے دائرے میں بھاری تعداد میں سوشل ورکروں اور سوشل سائنسدانوں کو شامل کیا جائے تاکہ افزائشِ نسل کی صلاحیت رکھنے والے ۹۰ فیصدی شادی شدہ جوڑوں کے پاس پہنچا جائے اور اُن کو مانع حمل اشیاء استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ضلع کی سطح پر ایک مَرد اور ایک خاتون توسیعی تعلیمی آفیسر اور ایک مَرد اور ایک خاتون میدانی ورکر کو مقرّر کیا جائے۔ پنجاب، مغربی بنگال، مہاراشٹر، کیرل، گجرات اور اڑلیسہ کے سوا اس عملہ کے تقرّر میں زیادہ ترقی نہیں کی جاسکی ہے (گوشوارہ ۴۴ اور گوشوارہ ۴۵) اور یہ وہ صوبے ہیں جہاں بہت ترقی کی گئی ہے جیسا کہ گوشوارہ ۴۶ اور ۴۷ سے ظاہر ہے۔ ان گوشواروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں نس بندی اور لوُپ لگانے کے سلسلے میں کہاں تک ترقی کی گئی ہے۔ لہٰذا اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ دیگر صوبوں میں بھی عملہ کے اراکین کو عہدوں پر فائز کیا جائے۔

ایک مختلف نظریہ

اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اب تمام لوگوں کی خدمت کرنے پر زور دینے کے بجاے اُن لوگوں کی خدمت پر زور دیا جائے جن کو اس خدمت کی اشد ضرورت ہے۔ ابتدائی مراحل میں خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام لوگوں کے ان گروپوں میں شروع کیا جائے جن کے بارے میں یہ امید ہو کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کو بڑی خوشی سے قبول کرلیں گے۔ اگر پروگرام کو سب لوگوں کے لیے شروع کیا گیا تو محدود ذرائع کو وسیع علاقے میں پھیلانا پڑے گا اور مستقل اور نیم مستقل انتظامی مشینری قائم کرنی پڑے گی۔ اس طرح خرچہ بہت زیادہ ہوگا اور کافی وقت لگے گا۔

خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے لیے انتظامی ڈھانچہ برق رفتار اور آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرنے والا ہونا چاہیے اور اسے اوپر کے بجائے نیچے سے مرتب کرنا چاہیے۔ تعلقہ،

گوشوارہ ۴۴

دسمبر ۱۹۶۵ء تک مختلف صوبوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے پلاننگ بورڈ کے عملہ کی پوزیشن

صوبہ/ یونین کا علاقہ	دسمبر ۱۹۶۵ء تک صوبہ کی سطح پر خاندانی منصوبہ بندی کے عملے کے اراکین: فیملی پلاننگ آفیسر	ہیلتھ ایجوکیٹر: مطلوبہ	ہیلتھ ایجوکیٹر: جو عہدے پر فائز ہے	اعداد و شمار کے ماہرین: مطلوبہ	اعداد و شمار کے ماہرین: جو عہدے پر فائز ہے
آندھرا پردیش	اسسٹنٹ ڈی۔پی۔ایچ (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	-
آسام	اسسٹنٹ ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	-	۱	-
بہار	ڈپٹی ڈی۔ایچ۔ایس۔	۱	-	۱	-
گجرات	اسسٹنٹ ڈی۔پی۔ایچ (فیملی پلاننگ)	۱	-	۱	-
جموں اور کشمیر	ڈپٹی۔ڈی۔ایچ۔ایس	۱	-	۱	۱
کیرل	ایس۔ایف۔پی۔او۔	۱	۱	۱	-
مدھیہ پردیش	جائنٹ ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	-
مدراس	اسٹیٹ فیملی پلاننگ آفیسر	۱	۱	۱	-
مہاراشٹر	او/آئی۔اے۔ڈی۔پی۔ایچ (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	۱
میسور	ڈپٹی ڈی۔پی۔ایچ (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	۱
اڑیسہ	جائنٹ ڈی۔ایچ۔ایس۔(فیملی پلاننگ	۱	۱	۱	۱

گوشوارہ ۴۴ (جاری)

پنجاب	ڈپٹی ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	۱
راجستھان	اسسٹنٹ ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	۱
اترپردیش	اسسٹنٹ ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	-	۱	-
مغربی بنگال	ڈپٹی ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	۱	۱	۱
انڈیمان اور نکوبار جزائر		۱	۱	۱	-
دلّی	سپرنٹنڈینٹ (فیملی پلاننگ)	۱	-	۱	-
ہماچل پردیش	اسسٹنٹ ڈی۔ایچ۔ایس (فیملی پلاننگ)	۱	-	۱	-
منی پور	ڈپٹی ڈائریکٹر	۱	-	۱	-
پانڈیچری	سٹیٹ فیملی پلاننگ آفیسر	۱	-	۱	-
نیفا	-	۱	-	۱	-
تری پورہ	-	۱	-	۱	-
گوا	سی۔ایم۔او۔	۱	-	۱	-
ایل۔ایم۔جزائر	-	۱	-	۱	-
ناگالینڈ	-	۱	-	۱	-
	کُل	۲۵	۹	۲۵	۸

گوشوارہ ۴۵

دسمبر ۱۹۶۵ء تک ضلع کی سطح پر خاندانی منصوبہ بندی کا عملہ

صوبہ	اضلاع کی تعداد	فیملی پلاننگ آفیسر	سرجن		ڈسٹرکٹ ایکسٹینشن ایجوکیٹر		نرس	فیلڈ ورکر	
			مرد	عورتیں	مرد	عورتیں		مرد	عورتیں
آندھرا پردیش	۲۰	-	۲۰	-	۱۴	-	-	۴	-
آسام	۱۱	۵	۱۰	-	-	-	-	-	-
بہار	۱۷	-	-	-	-	-	-	-	-
گجرات	۱۸	۱۷	۴	۳	۱۲	۶	۹	-	-
جموں اور کشمیر	۹	۲	-	۲	۲	۲	۲	۲	۲
کیرل	۹	۹	۹	۹	۹	۹	۹	۲	۲
مدھیہ پردیش	۴۳	-	۲۱	-	-	-	-	-	-
مدراس	۱۳	-	-	-	-	-	-	-	-
مہاراشٹر	۲۶	۲۵	۲۶	-	۲۶	-	-	۲۵	-
میسور	۱۹	۶	-	-	۱۳	-	۶	-	-
اڑیسہ	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۱	۹	۱۳	۱۳	۱۳
پنجاب	۱۹	۱۲	۳	۲	۳۷	۳۶	۴	۶	۲
راجستھان	۲۶	-	-	-	-	-	-	-	-
اتر پردیش	۵۴	۲۳	۹	۲۰	۱۲	-	۱۲	-	-
مغربی بنگال	۱۶	۱۶	۱۳	۶	۱۴	۱۶	۱۵	۱۶	۱۳
ہندوستان	۳۳۵	۱۴۳	۱۲۷	۵۶	۱۵۱	۷۸	۷۰	۷۶	۳۰

ضلع اور صوبہ کی سطح پر ذہنی بنک منظم کرنے چاہئیں اور سوشل سائنسدانوں، سرکاری افسروں اور سماجی لیڈروں کو فیصلوں میں شامل کرنا چاہیے۔ خاندانی منصوبہ کا چونکہ یہ تقاضا ہے کہ لوگوں کے رویّہ میں تبدیلی لائی جائے اس لیے سوشل سائنسدانوں کو اس پروگرام میں شامل کرنے کی سنجیدہ کوششیں کرنی چاہئیں اور جو کام علاج معالجہ سے تعلق نہیں رکھتے ہیں ان کو طبّی کاموں سے بالکل الگ رکھا جائے۔ اطلاع، تعلیم اور ترغیب سوشل سائنسدانوں کی ذمہ داری ہونی چاہیے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کی کامیابی کا جائزہ لینے کا کام مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین کے سپرد کیا جائے۔ پروگرام پر عملدرآمد کے دوران ہی تحقیق اور جائزے کی تعمیر کی جائے۔ تحقیق اور جائزے کا کام افسرانِ بالا کی ہدایت پر نہ ہو بلکہ نچلی سطح کے اراکین کریں۔ حسب ذیل اصولوں پر خاندانی منصوبہ بندی کی ٹھوس پالیسی کی بنیاد رکھنی چاہیے۔

(ل) اس تحریک کو ہمہ گیر بنانے کی بجائے اسے خاص افراد تک محدود رکھا جائے۔

(ب) پہلے لوگوں کے اس گروپ کے پاس پہنچا جائے جن کے بارے میں یہ اُمید ہو کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کو خوشی سے قبول کریں گے۔

(ت) اپنے ذرائع کو وسیع علاقے پر قطرہ قطرہ کرکے نہ پھیلائیے۔ بلکہ ان کو ایسے علاقوں پر زیادہ مقدار میں پھیلائیے جہاں کامیابی کا قوی امکان ہو۔

(ٹ) دیہی علاقوں پر خاص توجہ دیجیے کیوں کہ ہندوستان کی ۸۲ فیصدی آبادی دیہات میں رہتی ہے۔

(ث) اوپر سے نیچے والے انتظامی نظریہ کے بجائے نیچے سے اوپر والے انتظامی نظریہ کو اپنائیے۔

(ج) جو کام علاج معالجہ سے تعلق نہیں رکھتے ان کو طبّی کاموں سے بالکل الگ کر دیجیے۔

(چ) خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق وسیع ضابطے کا نظریہ اختیار کیجیے اور مختلف سطحوں پر فیصلے کرنے میں سوشل سائنسدانوں کو شامل کیجیے۔

ویرن۔ایس۔تھامپسن اور فرینک۔ڈبلیو۔نوٹیسٹین کے نام سے منسوب ہے۔ آبادی میں اضافہ اور معاشی ترقی کے درمیان رشتوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اس نظریہ میں کہا گیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں جہاں آبادی پر بھاری دباؤ پڑتا ہے، پیداواری صلاحیت کم ہوتی ہے۔ آمدورفت کے ذرائع کم ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور صحت و صفائی کے حالات اچھے نہیں ہوتے۔ موت اور پیدائش کی شرحیں زیادہ بلند ہوتی ہیں۔ شرحِ اموات اس لیے زیادہ ہوتی ہے کہ خوراک اچھی نہیں ہوتی ہے، صحت وصفائی کے انتظامات قدیم ہوتے ہیں اور احتیاطی تدابیر اور علاج ومعالجہ کی سہولتیں مفقود ہوتی ہیں۔ شرح پیدائش اس لیے زیادہ ہوتی ہے کہ سماجی عقیدے اور رسم و رواج بڑے خاندانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اس برادری میں جس میں شرح اموات زیادہ ہوتی ہے اپنے وجود کو جاری رکھنے کے لیے بڑے بڑے کنبے پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔ ایک ہزار اشخاص کے پیچھے شرح پیدائش تقریباً ۴۰ ہو اور شرحِ اموات تقریباً ۳۵ ہو تو پھر آبادی برق رفتاری سے نہیں بڑھتی ہے۔

معاشی ترقی کے باعث شرحِ اموات کم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آمدورفت کے بہتر بنائے گئے طریقے اور پانی کے نکاس کے اچھے انتظامات موجود ہوتے ہیں اور پینے کے پانی کی سہولتوں کو بہتر بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن شرح پیدائش بلند رہتی ہے اس لیے موت اور پیدائش کی شرحوں میں فرق بڑھتا رہتا ہے اور آبادی ہر سال ایک ہزار کے پیچھے ۲۰ سے ۳۰ تک کی شرح سے بڑھتی رہتی ہے۔ آبادی چونکہ تیز رفتاری سے بڑھتی رہتی ہے اس لیے اس زمانہ کو "آبادی کی بڑھتی ہوئی یورش" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

معاشی ارتقا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ شہروں کو زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے اور شہری علاقے میں بچے عام طور سے بوجھ زیادہ اور اثاثہ کم ثابت ہوتے ہیں۔ معاشی تبدیلی کا طریقۂ کار روایتی رواجوں اور عقیدوں کی قوت کو بھی کم کر دیتا ہے۔ عورتیں یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ اگر ان پر بڑے کنبے کا بوجھ پڑ گیا تو وہ اپنا سماجی فریضہ ادا نہیں کر سکیں گی۔ نتیجۃً بڑے خاندان کے آدرش کی جگہ چھوٹے خاندان کا آدرش لے لیتا ہے شرحِ پیدائش ایک ہزار اشخاص کے پیچھے ۴۰ کے اونچے درجے سے گر کر ۱۰ رہ جاتی ہے۔ شرحِ اموات بھی کم ہوتی ہے۔ فی ہزار لگ بھگ ۸ رہ جاتی ہے۔ اس طرح آبادی اپنے آپ کو ایک سطح پر برقرار رکھتی ہے۔

اوپر جن تین مراحل کا ذکر کیا گیا ہے ان کو آبادی میں سست رفتاری سے اضافہ، آبادی میں تیز رفتاری سے اضافہ اور ایک سطح پر رہنے والی یا کم ہونے والی آبادی کے مراحل کہا جاتا ہے۔ صنعتی اعتبار سے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک پہلے دو مراحل سے گزر چکے ہیں اور اس وقت وہ تیسرے مرحلے میں ہیں۔ ایشیا، افریقہ،

گوشوارہ ۴۶

مختلف صوبوں میں نس بندی کے آپریشنوں کے پروگرام کی رفتار ترقی

صوبہ/یونین کا علاقہ	۶۷-۱۹۶۶ء کے لیے سال کے وسط میں آبادی کا اندازہ (۰۰۰ میں)	۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران نس بندی کے آپریشنوں کا نشانہ	۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران نس بندی کے لئے کیے گئے آپریشنوں کی تعداد	۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران پورے کیے گئے نشانوں کا فیصد تناسب	نس بندی کے لیے کیے گئے آپریشنوں کی کل تعداد		۶۷-۱۹۶۶ء کی آبادی کے مطابق اب تک فی ہزار اشخاص کے حساب سے کیے گئے نس بندی کے آپریشنوں کی افزائش پذیر تعداد
					آغاز کے وقت سے	کس تاریخ تک	
۱۔ آندھرا پردیش	۴۰۰۸۶	۷۸۵۹۶	۱۸۴۱۶	۲۳٫۴۳	۶۴۷۳۲	۳۰-۹-۶۶	۱٫۶۱
۲۔ آسام	۱۳۰۶۱	۲۴۸۶۱	۳۱۲	۱٫۲۵	۲۴۹۹۶	۳۱-۷-۶۶	۱٫۷۹
۳۔ بہار	۵۲۸۰۸	۷۱۳۱۲	۷۲۱۴	۱۰٫۱۲	۲۹۶۷۱	۳۰-۹-۶۶	۰٫۵۶
۴۔ گجرات	۲۴۰۰۲	۵۶۵۸۳	۱۳۷۸۷	۲۴٫۳۷	۱۱۶۶۲۸	۳۰-۹-۶۶	۴٫۸۶
۵۔ جموں وکشمیر	۳۶۴۷	۶۲۳۴	۹۸۶	۱۵٫۸۲	۹۷۰۹	۳۰-۹-۶۶	۲٫۵۲
۶۔ کیرل	۱۹۴۲۱	۸۴۳۸۲	۱۲۴۴۸	۱۴٫۷۵	۱۲۷۳۹۸	۳۱-۸-۶۶	۶٫۵۶
۷۔ مدھیہ پردیش	۳۷۱۶۴	۷۶۰۵۷	۱۶۶۱۰*	۲۱٫۸۴	۱۱۶۸۷۹	۳۱-۸-۶۶	۳٫۱۴
۸۔ مدراس	۳۷۰۲۳	۱۹۵۵۷۵	@۱۲۶۰۰۰	۶۴٫۴۳	۴۰۶۴۴۳	۳۱-۸-۶۶	۱۰٫۹۸
۹۔ مہاراشٹر	۴۵۶۰۵	۱۳۲۸۷۸	۱۵۷۷۸	۱۱٫۸۷	۲۷۴۲۰۷	۳۰-۹-۶۶	۶٫۰۱
۱۰۔ میسور	۲۶۸۸۸	۶۲۲۷۳	۲۱۱۹۲	۳۴٫۰۳	۹۰۲۳۰	۳۰-۹-۶۶	۳٫۳۶
۱۱۔ اڑیسہ	۱۹۸۵۵	۷۴۰۳۳	۳۲۶۲۶	۴۴٫۰۷	۱۰۰۱۰۶	۳۰-۹-۶۶	۵٫۰۴
۱۲۔ پنجاب	۲۴۰۷۶	۷۶۴۰۸	۸۶۶۹	۱۱٫۳۵	۹۷۶۷۸	۳۰-۹-۶۶	۴٫۰۶
۱۳۔ راجستھان	۲۳۶۵۰	۴۰۵۸۱	۱۱۱۰	۲٫۷۴	۴۴۶۹۹	۳۱-۷-۶۶	۱٫۸۹
۱۴۔ اترپردیش	۸۳۴۸۱	۱۷۵۷۰۸	۱۷۷۵۱	۱۰٫۱۰	۱۷۴۰۷۶	۳۰-۹-۶۶	۲٫۰۹

گوشوارہ ۴۶ (جاری)

۱۵. مغربی بنگال	۴۰۵۹۲	۷۴۰۶۹	۵۰۰۲	۶٫۷۵	۵۳۱۸۳	۳۱-۸-۶۶	۱٫۳۱
۱۶. ناگالینڈ	۴۰۰	۱۰۰۲	این اے	۰٫۰۰	۲۲۷	۳۱-۸-۶۶	۰٫۵۶
۱۷. انڈیمان اورنکوبارجزائر	۸۰	۱۹۵	۱۸	۹٫۲۳	۲۳۶	۳۰-۶-۶۶	۲٫۹۵
۱۸. دلی	۳۵۱۰	۱۱۹۲۸	۶۶۴	۵٫۵۷	۱۵۳۹۷	۳۰-۹-۶۶	۴٫۳۹
۱۹. ڈی اینڈ این حویلی	۶۶	۱۶۳	۷	۴٫۲۹	۷	۳۱-۷-۶۶	۰٫۱۱
۲۰. گوا، دمن اور دیو	۶۶۳	۱۶۴۸	۲۹۵	۱۷٫۹۰	۱۶۸۵	۳۰-۹-۶۶	۲٫۵۴
۲۱. ہماچل پردیش	۱۵۴۱	۲۵۰۰	۴۰۳	۱۶٫۱۲	۴۲۹۴	۳۰-۶-۶۶	۲٫۷۹
۲۲. ہریانہ	۹۶۳	۲۰۰	۱۶	۸٫۰۰	۲۵۵	۳۰-۹-۶۶	۰٫۲۶
۲۳. ایل۔ایم۔اے جزائر	۲۶	۶۵	۱	۱٫۵۴	۱	۳۱-۷-۶۶	۰٫۰۴
۲۴. نیفا	۳۷۰	۸۴۰	-	-	-		۰٫۰۰
۲۵. پانڈیچری	۴۱۴	۱۰۲۳	این.اے	-	۲۷۴	۳۱-۳-۶۶	۰٫۶۶
۲۶. تری پورہ	۱۸۵۰	۳۲۰	۲۹	۰٫۹۱	۳۳۷*	۳۰-۹-۶۶	۰٫۲۹
۲۷. وزارت دفاع	-		۴۱۲*		۱۰۸۸۳*	۳۰-۹-۶۶	-
۲۸. ریلوے وزارت	-	-	۱۹۲۴*		۱۷۳۱۷*	۳۰-۹-۶۶	-
کل	۵۰۱۷۹۸	۱۲۵۲۷۶۴	۳۰۱۶۷۰	۲۴٫۰۸	۱۷۸۱۵۰۲		۳٫۵۵

* نامکمل

@ یہ وہ اطلاع ہے جو چیف منسٹر مدراس نے مرکزی وزیر صحت کو خط نمبر ہیلتھ ا-۶۶-H۱۰-۹۸۷۷۷ کے ذریعے دی جس پر ۷ راکتوبر ۱۹۶۶ء کی تاریخ ہے۔

گوشوارہ ۴۷

مختلف پردیشوں میں لُوپ لگانے کے پروگرام کی رفتارِ ترقی

صوبہ/یونین کا علاقہ	۶۷-۱۹۶۶ء کے لیے سال کے وسط میں آبادی کا اندازہ (۰۰۰، میں)	لُوپ لگانے کا نشانہ: ۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران لُوپ لگانے کا نشانہ	لُوپ لگانے کا نشانہ: ۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران لگائے گئے لوپوں کی تعداد	لُوپ لگانے کا نشانہ: ۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران پورے کیے گئے نشانوں کا فیصد تناسب	کُل کتنے لُوپ لگائے گئے: آغاز سے	کُل کتنے لُوپ لگائے گئے: کس وقت تک	۶۷-۱۹۶۶ء کی آبادی کے اندازے کے مطابق اب تک فی ہزار اشخاص کے حساب سے لگائے گئے لوپوں کی افزائش پذیر تعداد
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
آندھرپردیش	۴۰۰۸۶	۱۸۴۳۵۰	۱۱۹۵۲	۶٫۴۸	۲۰۳۲۹	۳۰-۹-۶۶	۰٫۵۱
آسام	۱۳۹۶۱	۱۲۶۵۲۰	*۱۲۰۸۲	۱۰٫۱۳	*۴۱۷۹۷	۳۰-۹-۶۶	۲٫۹۹
بہار	۵۲۸۰۸	۲۵۷۷۶۰	۱۳۷۰۴	۵٫۳۲	۲۶۴۴۴	۵-۱۱-۶۶	۰٫۵۰
گجرات	۲۴۰۰۲	۳۵۲۵۱۵	*۱۸۸۲۳	۵٫۳۳	*۱۰۸۳۳۴	۳۰-۹-۶۶	۴٫۵۱
جموں اور کشمیر	۳۸۴۷	۴۶۹۶۵	۶۳۱۳	۱۳٫۴۴	۱۰۳۲۰	۳۰-۹-۶۶	۲٫۶۸
کیرل	۱۹۴۲۱	۱۶۶۹۵۰	۱۳۲۲۶	۷٫۹۲	۴۸۹۴۳	۳۱-۸-۶۵	۲٫۵۲
مدھیہ پردیش	۳۷۱۶۴	۱۹۸۵۲۰	*۱۲۸۱۲	۶٫۴۵	*۳۳۹۱۸	۳۱-۸-۶۵	۸٫۹۱
مدراس	۳۷۰۲۳	۱۶۰۲۶۵	۱۹۷۸	۱٫۲۳	۵۴۶۹	۳۱-۷-۶۶	۰٫۱۵

گوشوارہ ۴۷ (جاری)

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
مہاراشٹر	۱۵۶۰۵	۴۱۶۶۸۰	۴۷۰۹۸	۱۱٫۳۰	۱۷۶۹۸۵	۳۰-۹-۶۶	۳٫۸۸
میسور	۲۶۸۳۸	۳۳۱۷۲۰	۴۲۷۱۱	۱۲٫۸۸	۱۱۸۶۱۱	۳۰-۹-۶۶	۴٫۴۲
اڑیسہ	۱۹۸۵۵	۹۵۰۳۰	۴۶۲۸	۴٫۸۷	۱۰۶۴۳	۳۰-۹-۶۶	۰٫۶۴
پنجاب	۲۴۰۷۶	۴۲۸۰۹۵	۷۵۸۳۷	۱۷٫۷۱	۲۰۸۱۰۰	۳۰-۹-۶۶	۸٫۶۴
راجستھان	۲۳۶۵۶	۱۳۴۸۱۵	۳۷۲۴	۲٫۷۶	۱۷۳۸۷	۳۱-۷-۶۶	۰٫۷۴
اترپردیش	۸۳۴۸۱	۴۲۵۱۸۰	۵۱۹۳۳	۱۲٫۲۱	۹۷۲۹۱	۳۰-۹-۶۶	۱٫۱۷
مغربی بنگال	۴۰۵۹۲	۶۸۳۶۳۵	۴۶۰۱۸	۶٫۷۳	۱۰۴۰۵	۳۱-۸-۶۶	۵٫۱۸
ناگالینڈ	۴۰۶	۸۰۲۰	-	۰٫۰۰	-	-	۰٫۰۰
انڈمان اور نکوبار جزائر	۸۰	۱۰۰۰	۳۸	۳٫۸۰	۶۸	۳۰-۶-۶۶	۰٫۸۵
دلی	۳۵۱۰	۵۰۰۷۲	۷۲۸۸	۱۲٫۳۴	۲۷۷۵۰	۳۰-۹-۶۶	۷٫۹۱
دادرا اور نگر حویلی	۶۶	(؛)۱۳۰۰	-	۰٫۰۰	-	-	۰٫۰۰
گوا، ڈمن اور دیو	۶۶۳	۱۳۱۸۰	۱۹۸	۱٫۵۰	۲۴۸	۳۰-۸-۶۶	۰٫۳۷
ہماچل پردیش	۱۵۴۱	۲۰۰۰۰	@۱۳۷۷	۶٫۸۹	۳۸۴۷	۳۰-۸-۶۶	۲٫۵۰

گوشوارہ ۴۷ (جاری)

منی پور	۹۶۳	۱۵۸۲۰	۶۹۱	۴٫۶۳۰	۱۸۲۰	۳۰-۹-۶۶	۱٫۶۸۹
ایل۔ایم۔اے جزائر	۲۶	۵۲۰	-	۰٫۶۰۰	-	-	۰٫۶۰۰
نیفا	۳۷۰	۵۵۲۰	-	۰٫۶۰۰	-	-	۰٫۶۰۰
پانڈیچری	۴۱۴	۸۱۸۰	این۔اے	۰٫۶۰۰	۳۶	۳۱-۳-۶۶	۰٫۶۰۹
تری پورہ	۱۳۵۰	۲۳۵۲۰	۳۰۴	۱٫۶۲۹	۳۰۴	۳۰-۹-۶۶	۰٫۶۲۳
وزارتِ دفاع	-	-	۱۲۴۶٭		۳۴۳۳٭	۳۰-۹-۶۶	
ریلوے وزارت	-	-	۶۸۱۶		۱۸۱۸۴	۳۱-۸-۶۶	
کُل	۵۰۱۷۹۸	۴۱۵۶۱۳۲	۳۸۱۵۳۶	۹٫۶۱۸	۱۱۹۰۶۶۶		۲٫۶۳۷

٭ نامکمل

@ وضاحت طلب

وہ لوگ جن کو خاندانی منصوبہ بندی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ہندوستان میں شادی شدہ جوڑوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ شادی شدہ جوڑے جن کے ہاں چار یا زیادہ زندہ بچے ہیں اور جو مزید بچوں کی خواہش نہیں رکھتے۔ ان کو خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں پہلے ہی ترغیب دی جا چکی ہے۔

(۲) وہ شادی شدہ جوڑے جن کے ہاں تین یا تین سے کم بچے ہیں۔ جن کو خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ترغیب نہیں دی گئی ہے اور ان کو ترغیب دینا ہوگی

ہندوستان میں[1] ۸ کروڑ ۲۰ لاکھ شادی شدہ جوڑوں میں سے تقریباً ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ جوڑے پہلے زمرے سے اور باقی ۵ کروڑ دوسرے زمرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قلیل مدت میں تمام ۸ کروڑ ۲۰ لاکھ شادی شدہ جوڑوں کے پاس پہنچنے کے لیے چونکہ مناسب ذرائع موجود نہیں ہیں لہٰذا یہ بات مناسب ہوگی کہ ایسی پالیسی اختیار کی جائے جس کی بدولت مخصوص اخراجات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے لہٰذا ابتدا ہی سے ہماری حکمتِ عملی ایسی ہونی چاہیے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام صرف ان لوگوں تک لے جایا جائے جن کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان لوگوں کے گروپوں کو مطمئن کرنے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔ یعنی ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ شادی شدہ جوڑوں کو مطمئن کرنے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔ جن کو ترغیب دی جا چکی ہے اور جو مزید بچوں کی خواہش نہیں رکھتے۔

ایسے شادی شدہ جوڑوں کی پہچان بہت آسان ہے۔ عورتوں کی عمر ۳۵ برس اور اس سے اوپر ہوتی ہے۔ ان کے چار یا چار سے زیادہ بچے ہوتے ہیں۔ یہ شادی شدہ جوڑے چونکہ مزید بچوں کی خواہش نہیں رکھتے ہیں اس لئے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے آمادہ ہیں۔ تاہم ان کو خاندانی منصوبہ بندی کے مختلف طریقوں سے متعلق معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ معلومات ان کو ہم پہنچانی چاہئیں۔ بہر کیف اس امر کا امکان ہے کہ یہ شادی شدہ جوڑے زیادہ تر ایسے طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں گے جو مستقل طور پر بچوں کی پیدائش کو روک دیتے ہیں۔ رحم کے اندر مانع حمل شے کا نصب

---

[1] ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے وقت افزائش نسل والی عمر کے گروپ میں تقریباً ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ شادی شدہ جوڑے موجود تھے یعنی ان کی عمریں ۱۵ سے ۴۵ برس کے درمیان تھیں۔ یہ تعداد ہر سال تقریباً ۱۰ لاکھ بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا ۱۹۶۵ء میں شادی شدہ جوڑوں کی تعداد ۸ کروڑ ۲۰ لاکھ ہی ہوگی۔

کیا جانا اور نس بندی کا آپریشن۔ معلومات بہم پہنچانے کے بعد خدمت کی سہولتیں بھی فراہم کرنی چاہئیں۔ یہ خدمت اور معلومات خاندانی منصوبہ بندی کے نقل و حرکت کرنے والے کارکنوں کی ٹیمیں اور خاندانی منصوبہ بندی کے چلتے پھرتے شفاخانے بہتر انداز میں فراہم کر سکتے ہیں اور ان کو منتخب دیہات میں ان دنوں میں جانا چاہیے جن کے بارے میں پہلے ہی سے اعلان کیا جا چکا ہو

ہمارا دوسرا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام لوگوں کے گھروں تک لے جائیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تمام ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ شادی شدہ جوڑے خاندانی منصوبہ بندی کو اختیار کرلیں تو اس کے نتیجے کے طور پر شرح پیدائش میں متوقع کمی مانع حمل اشیاء کی سو فیصدی کامیابی پر ۱۳ نقطوں کے برابر ہوگی۔ لیکن اگر صرف ۸۰ فیصدی جوڑوں تک پہنچا جائے گا تو یہ کمی ۱۰ نقطوں سے ذرا اوپر ہوگی۔

تعلیم کے میدان میں ایک اور فائدہ میسر آئے گا۔ اس عمر کے گروپ کی عورتیں آگے چل کر ساس بننے والی ہوتی ہیں۔ اگر وہ حمل کو روکنے کے طریقے اختیار کرتی ہیں تو وہ اپنی بہوؤں کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت کریں گی۔ لہٰذا معلومات اور ترغیب کے میدان میں کافی حد تک افزائش پذیر اثر ہوگا۔

یہ بھی ایک اچھی بات ہوگی اگر بالترتیب گشتی میدانی ٹیموں اور خاندانی منصوبہ بندی کے چلتے پھرتے شفاخانوں کو معلومات اور خدمت کا کام سرانجام دینے دیا جائے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے کارکنوں کی ٹیمیں، جن میں سے ہر ایک ٹیم میں دو کارکن ہوں چلتے پھرتے شفاخانوں سے دو دن پہلے گاؤں میں جائیں اور وہاں لوگوں کے گروپوں کی میٹنگ منعقد کریں۔ یا چار[2] یا چار سے زیادہ بچوں والے شادی شدہ جوڑوں سے جا کر ذاتی طور پر بات چیت کریں۔ ایک ہزار آبادی والے گاؤں[1] میں ایسے شادی شدہ جوڑوں کی تعداد تقریباً ۱۱۰[2] ہوگی۔ ان لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ترغیب دینے کی چونکہ ضرورت نہیں ہوگی اس لیے دو اشخاص پر مشتمل ٹیم کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے مختلف طریقوں سے متعلق معلومات فراہم کرنا یا دو روز میں ایک ہزار کی آبادی والے گاؤں کے ۱۱۰

---

[1] مثال کے لیے گاؤں کی آبادی کا سائز ایک ہزار لیا گیا ہے۔

[2] ایس۔ این۔ اگروال کا مقالہ "سماجی ورکر اور خاندانی منصوبہ بندی کا عمل اور تحقیق۔" جو "خاندانی منصوبہ بندی کے رسالہ" شمارہ نمبر ۱ اور جلد نمبر XII میں ستمبر ۱۹۶۵ء کو شائع ہوا صفحات ۲۴-۲۶

شادی شدہ جوڑوں میں کنٹراسپٹو تقسیم کرنا آسانی سے ممکن ہوگا۔

وہ ضروری معلومات فراہم کر چکنے کے بعد خاندانی منصوبہ بندی کے لیے آمادہ جوڑوں کے نام لکھ سکتے ہیں اور وہ نام میدانی یونٹ کے علاقائی صدر مقام کو بھیج سکتے ہیں جو اس گاؤں میں چلتا پھرتا شفاخانہ بھیجے گا تاکہ وہ مانع حمل اشیا، تقسیم کر سکے یا نس بندی کے آپریشن کر سکے یا لوپ لگا سکے۔ گاؤں میں قیام کے دوران سماجی ورکروں کے لیے یہ بات ممکن ہونی چاہیے کہ وہ ۸۰ سے ۹۰ فیصدی ایسے جوڑوں کو ترغیب دے سکیں جن کے ہاں چار یا چار سے زیادہ بچے ہیں۔

ایک موٹے اندازے کے مطابق خاندانی منصوبہ بندی کے نقل و حرکت کرنے والے دو کارکنوں کی ٹیم اس قابل ہونی چاہیے کہ وہ ایک ہفتے میں ۳ ہزار کی آبادی والے دیہات میں کام ختم کر سکے۔ اسی طرح چلتا پھرتا شفاخانہ ایک دن میں ۲ دیہات میں یا ایک ہفتے میں ۱۲ دیہات میں اپنا کام پورا کر سکے۔ لہٰذا نقل و حرکت کرنے والے کارکنوں کی چار ٹیمیں اور ایک چلتا پھرتا شفاخانہ ایک ہفتے میں بارہ دیہات میں اپنا کام پورا کر سکتے ہیں یا ایک مہینے میں ۴۸ دیہات میں اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں جن کی آبادی ۴۸ ہزار ہو۔ اگر یہ خواہش ہے کہ ہند کے تمام چھ لاکھ دیہات میں تین سال کے اندر کام پورا کر لیا جائے تو خاندانی منصوبہ بندی کے کارکنوں کی تقریباً ایک ہزار ٹیموں اور ۲۵۰ شفاخانوں کی ضرورت ہوگی۔ گوشوارہ نمبر ۴۸ میں تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

ان اعداد و شمار میں دیہات میں دوبارہ جانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ اگر پرائمری ہیلتھ سنٹروں کے عملے کے اراکین کو تیزی سے نقل و حرکت کرنے کے قابل بنایا جا سکے اور ان کو مانع حمل اشیا تقسیم کرنے کے لیے دیہات میں دوبارہ جانے کی خاطر استعمال کیا جا سکے تو پھر نقل و حرکت کرنے والے سماجی کارکنوں اور چلتے پھرتے شفاخانوں کی تعداد کو بڑھانا بھی ضروری نہیں ہوگا۔ چلتے پھرتے شفاخانوں کے خراب ہو جانے کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی کچھ انتظام کرنا ہوگا۔

مجوزہ منصوبہ صرف دیہات کے لیے ہے۔ شہری علاقوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے موجودہ عملے کو مناسب طور پر خاندانی منصوبہ بندی کے میدانی کارکنوں کی امداد مہیا کی جائے تو وہ ایسے شادی شدہ جوڑوں کو ترغیب دینے اور ان کو معلومات فراہم کرنے کا یہ کام کر سکتے ہیں جن کے ہاں چار یا چار سے زیادہ زندہ بچے ہیں۔

گوشوارہ ۴۸

دو کارکنوں کی ایک ٹیم جو ہر دو دن کے بعد ۱۸ شادی شدہ جوڑوں کے پاس پہنچے گی اس کے لیے دیہی علاقوں میں ایسے شادی شدہ جوڑوں کے پاس پہنچنے میں کتنے مہینے اور سال درکار ہوں گے جن کے ہاں چار یا چار سے زیادہ بچے ہیں

صوبہ	۱۹۶۶ء میں وہ شادی شدہ جوڑے جنکے ہاں ۴ یا ۴ سے زیادہ بچے تھے	مطلوبہ مہینے اور سال	
		مہینے	سال
آندھرپردیش	۲۶۵۸۵۷۷	۲۹۵۴	۲۴۶
آسام	۹۸۰۷۵۹	۱۰۹۰	۹۱
بہار	۳۸۰۶۹۴۷	۴۲۲۹	۳۵۲
گجرات	۱۳۷۰۶۶۴	۱۵۲۲	۱۲۷
جموں اور کشمیر	۲۶۵۸۳۵	۲۹۵	۲۵
مدھیہ پردیش	۲۴۸۵۳۳۸	۲۷۶۱	۲۳۰
کیرل	۱۲۸۴۱۱۶	۱۴۲۷	۱۱۹
مدراس	۲۲۱۰۰۴۷	۲۴۶۵	۲۰۵
مہاراشٹر	۲۵۴۰۶۷۰	۲۸۲۳	۲۳۵
میسور	۱۶۵۵۸۴۰	۱۸۳۹	۱۵۳
اڑیسہ	۱۴۷۱۷۰۰	۱۶۳۵	۱۳۶
پنجاب	۱۴۶۸۳۸۴	۱۶۱۰	۱۳۴
راجستھان	۱۵۱۰۰۳۴	۱۶۷۷	۱۴۰
اُتر پردیش	۵۸۰۸۵۹۷	۶۴۵۴	۵۳۸
مغربی بنگال	۲۳۶۱۱۶۴	۲۶۲۴	۲۱۸
کل	۳۱۸۶۰۶۶۲	۳۵۳۹۵	۲۹۴۹
ہندوستان	۳۲۲۴۵۴۵۶	۳۵۸۲۸	۲۹۸۵

پندرھواں باب

ہندوستان میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کرنے کے آپریشن

گزشتہ باب میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ اکتوبر ۱۹۶۶ء تک ہندوستان میں حمل روکنے کے لیے ۲۸ء۱۱ لاکھ آپریشن کیے جا چکے ہیں۔ اس طریقے کی وکالت اس بناء پر کی جا رہی ہے کہ یہ مؤثر اور سستا ہے۔ اس کی حمایت کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ یہ ایک مستقل طریقہ ہے۔ تین بچوں کی پیدائش کے بعد جو آپریشن کیا جاتا ہے وہ شادی شدہ جوڑے کی افزائشِ نسل والی باقی مدت میں اوسطاً تین پیدائشوں کو کم کر دے گا۔ گوپال سوامی نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دس سال کے لیے ہر سال ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے ۵ کی شرح سے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینے والے آپریشن (یا ۱۹۶۱ء کی ہندوستانی آبادی کے لیے ۲۲ لاکھ آپریشن) شرح پیدائش کو ۱۲ نقطوں تک کم کر دیں گے[1] یعنی شرح پیدائش کو اس وقت ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے ۴۲ کو گھٹا کر ۳۰ کر دیں گے۔ لیکن یہ بات صرف اسی صورت میں ہو گی جب یہ فرض کر لیا جائے کہ آبادی میں اضافہ رُک گیا ہے اور ۱۹۶۱ء کی ۴۳ کروڑ ۹۰ لاکھ کی آبادی کی سطح پر قائم ہے۔[2] بہرحال اگر آبادی کی جسامت اور عمر کی تشکیل کو آبادی سے متعلق ماہرین کی کمیٹی کی جانب سے پیش کیے گئے آبادی کے تخمینوں کے مطابق بدلا جائے تو دس سال میں کیے جانے والے ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ آپریشن جامد حالات کے ۱۲۔ ۱۱ نقطوں کی نسبت شرحِ پیدائش میں ۵ء۶ نقطوں کی کمی کریں گے۔

یہ نتائج عجیب نظر آ سکتے ہیں لیکن اس بات پر نظر رکھنی ہو گی کہ متحرک حالات کے تحت افزائشِ نسل

---

[1] آر۔ اے۔ گوپال سوامی کا مقالہ "خاندانی منصوبہ بندی۔ ہندوستان میں حکومت کے اقدام کے لیے نظریہ" جو کلائیڈ وی۔ کیسر کی کتاب "خاندانی منصوبہ بندی میں تحقیق" میں شامل ہے جسے پرنسٹن میں پرنسٹن یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔ صفحات ۷۰۔ ۸۰۔

[2] ایس۔ این۔ اگروال کا مقالہ "ہندوستان میں نس بندی کے آپریشنوں کا حساب"۔ جو سہ ماہی رسالہ "ایوجنکس" میں شائع ہوا شمارہ نمبر ۳ جلد XIII ستمبر ۱۹۶۵ء صفحات ۲۰۹ سے ۲۱۳

اور لاطینی امریکہ کے ترقی پذیر ممالک یا پہلے مرحلے میں ہیں یا دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں۔

اس نظریہ کی بدولت واقعات کے جس تسلسل کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ہر ایسے خطے میں پتہ لگایا جا سکتا ہے جہاں معیشت زرعی معیشت سے ابھر کر صنعتی منڈی والی معیشت بن گئی ہے۔ لیکن یہ نظریہ اتنا واضح نہیں ہے کہ یہ بیان کر سکے کہ اہم شرحوں میں کتنے درجوں تک کمی ہوتی ہے۔ بہرکیف اس نظریہ میں ایک اہم تعمیم شامل ہے مثلاً شرحِ اموات میں کمی کے مقابلے میں شرح پیدائش میں کمی کافی وقت گزرنے کے بعد ظہور میں آتی ہے۔ لیکن اس درمیانی عرصے میں آبادی برق رفتاری سے بڑھتی ہے۔ مثال کے طور پر "یورپی بستیوں کے رقبہ" میں ۱۷۵۰ء اور ۱۹۵۰ء کے درمیان آبادی چھ گنا بڑھ گئی ہے اور ۱۷۵۰ء سے ۱۸۵۰ء تک ایک صدی میں آبادی دُگنی سے بھی زائد ہو گئی اور ۱۸۵۰ء سے ۱۹۵۰ء کے عرصے میں تقریباً تگنی بڑھ گئی۔

ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے کم ترقی یافتہ ممالک کے لیے یہ نظریہ بھاری اہمیت رکھتا ہے۔ شرحِ پیدائش زیادہ بلند ہے اور شرحِ اموات تیزی سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ صحتِ عامہ کے میدان میں ایجادوں کے باعث یہ بات ممکن ہو گئی ہے کہ معیشت یا شرحِ پیدائش میں نمایاں تبدیلیوں کے باوجود شرحِ اموات کو کافی حد تک کم کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان ممالک کی آبادی اس رفتار سے بڑھ رہی ہے کہ بیس پچیس سال میں دُگنی ہو جاتی ہے۔ آبادی میں یہ اضافہ معاشی ترقی میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ لہٰذا اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ اگر معاشی ترقی کو ایک مسلسل عمل بنانا مقصود ہے تو شرحِ پیدائش میں کافی کمی کرنی ہو گی۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کی صلاحیت رکھنے والی عمر کی ۳ فیصدی عورتوں کو اولاد پیدا کرنے کے ناقابل بنایا جائے گا تو ایسی عورتوں کا فیصد تناسب ۱۹۶۶ء اور ۱۹۷۱ء میں بالترتیب ۲۶۸ اور ۲۶۵ ہوگا اور ۷۱-۱۹۶۱ء کے دہائی سالوں میں افزائش نسل کی صلاحیت رکھنے والی عمروں میں حال ہی میں شادی کرانے والی عورتوں کی تعداد میں تقریباً ۲ کروڑ ۱۵ لاکھ کا اضافہ ہو جائے گا اور صرف ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ جوڑے مانع حمل آپریشنوں کی وجہ سے اولاد پیدا کرنا بند کریں گے۔ لہٰذا اولاد پیدا کرنے کے ناقابل بنائی گئی حالیہ شادی شدہ عورتوں کی تعداد میں کل ۶۵ لاکھ کی کمی ہوگی۔

گوشوارہ ۴۹ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم بنا دینے والے ان آپریشنوں کی تعداد کا ایک مختصر سا منظر پیش کیا گیا ہے جو مقررہ سالوں میں شرح پیدائش کو کم کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس امر کا قیاس لگایا گیا ہے کہ پروگرام ۱۹۶۶ء کے سال میں شروع ہوگا۔ یہ تخمینے اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ عمر کے اعتبار سے افزائش نسل کی جو شرحیں پنجاب میں پائی گئی ہیں اور ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں عمر کے لحاظ سے حالیہ شادی شدہ عورتوں کے جو فیصد تناسب موجود ہیں وہ بدلیں گے نہیں۔ آبادی کے اعداد و شمار کے اندازے وہ ہیں جو آبادی سے متعلق ماہرین کی کمیٹی نے مرتب کیے ہیں اور اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔

گوشوارہ ۴۹

متذکرہ سالوں کے دوران شرحِ پیدائش میں خاص کمی کے لیے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم بنا دینے والے آپریشنوں کی مطلوبہ تعداد

مدت	شرح پیدائش میں کمی کا درجہ	ہر سال اولاد پیدا کرنے کے ناقابل بنانیوالے آپریشنوں کی تعداد (۱۰ لاکھ میں)
۱	۲	۳
۷۱-۱۹۶۶ء (۵ سال)	۴۰ سے ۳۵	۲۶۷۵
	۴۰ سے ۳۰	۵۶۵۱
	۴۰ سے ۲۵	۸۶۲۶
۷۶-۱۹۶۶ء (دس سال)	۴۰ سے ۳۵	۱۶۸۹
	۴۰ سے ۳۰	۳۶۹۸
	۴۰ سے ۲۵	۵۶۹۶

۱	۲	۳
۸۱-۱۹۶۶ء (پندرہ سال)	۴۰ سے ۳۵	۱۶۸۴
	۴۰ سے ۳۰	۳۶۶۹
	۴۰ سے ۲۵	۵۶۵۳*

یہ فرض کیا گیا ہے کہ جو لوگ اولاد پیدا کرنے کی قوت سے محروم ہونے کے لیے آپریشن کراتے ہیں ان کی عمر کا گوشوارہ وہی ہے جسے مہاراشٹر میں ڈنڈیکر[۱] نے معلوم کیا تھا۔

اگر ہر سال ۳۰ برس کی عمر کی تمام عورتوں یا ان کے شوہروں کو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا جائے تو ۱۹۶۱ میں ایسے آپریشنوں کا بوجھ ۲۸ لاکھ ہوگا، اور ان اعداد و شمار میں ۲۶۵ فیصدی کا اضافہ کرنا ہوگا کیوں کہ اس شرح کے مطابق ہندوستان کی آبادی میں اس وقت اضافہ ہو رہا ہے۔

اس مسئلے پر نظر ڈالنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ فرض کیجیے کہ ہند سرکار ۱۹۹۱ء تک شرح پیدائش اور شرحِ اموات کو ۶ اتک کم کرنا چاہتی ہے تو پھر ۱۹۶۶ء میں آبادی کا تخمینہ ۴۸ کروڑ ۵۶ لاکھ ہوگا اور ۱۹۹۱ء میں ۶۵ کروڑ ۷۰ لاکھ ہوگا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شرح اموات میں مجوزہ کمی مرد یا عورت کو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کرنے کے ذریعہ لائی ہے تو اس مقصد کے لیے کیے جانے والے آپریشنوں کی تعداد مختلف عرصوں میں گوشوارہ ۵۰ میں پیش کی جارہی ہے۔

گوشوارہ ۵۰

مختلف عرصوں میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم بنانے والے آپریشنوں کی تعداد

عرصہ	پانچ سال کی مدت میں (دس لاکھ)	عرصے کے دوران فی سال (دس لاکھ)
۱	۲	۳
۱۹۶۰-۶۶ء	۲۰۶۳۳	۴۶۰۷

* مطلوبہ سالوں میں چونکہ شادی شدہ عورتوں کی تعداد دستیاب نہیں اس لیے ان نشانوں کو پورا کرنا ممکن نہیں۔

[۱] کے۔ ڈنڈیکر کا مقالہ "مہاراشٹر میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم بنا دینے والے آپریشنوں کے لیے کیمپ" ۱۹۶۳ء کے رسالہ "آبادی کے مطالعات" میں شائع ہوا۔ صفحہ ۱۵۰

۳	۲	۱
۴۶۰۹	۲۰۶۴۵	۱۹۶۶-۷۱ء
۵۶۹۷	۲۹۶۸۷	۱۹۷۱-۷۶ء
۷۶۱۴	۳۵۶۶۹	۱۹۷۶-۸۱ء
۹۶۰۱	۴۵۶۰۳	۱۹۸۱-۹۱ء
۱۰۶۰۲	۵۰۶۰۹	۱۹۸۶-۹۱ء

لہٰذا اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینے والے آپریشنوں کی تعداد ۶۶-۱۹۶۱ء کے دوران ۴۰ لاکھ کی اوسط سے ۹۱-۱۹۸۶ء کے دوران ایک کروڑ سے ذرا زیادہ بڑھ جائے گی اگر صرف عورتوں کو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کرنا مقصود ہے تو افزائش نسل کی صلاحیت رکھنے والی عمروں کی حالیہ شادی شدہ عورتوں کو ۶۵ء۲۴ سال کی عمر کے بعد ۱۹۶۱ء میں بے ثمر بنا دینا ہوگا۔ بہرکیف ۱۹۹۱ء میں ایسی تمام عورتوں کو ۲۲ سال کے بعد بانجھ بنا دینا ہوگا۔ افزائش نسل کی صلاحیت رکھنے والی عمروں کی عورتوں میں بانجھ بنا دی جانے والی عمروں کا فیصد تناسب ۱۹۶۱ء میں ایک سے بڑھ کر ۱۹۹۱ء میں ۶۷ ہو جائے گا۔

متذکرہ بالا حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں آبادی کی روک تھام کے مسئلے کو صرف اولاد پیدا کرنے کی قوت سے محروم کر دینے والے آپریشنوں سے حل نہیں کیا جا سکتا اس لیے نہیں کہ یہ مسئلہ بہت عظیم ہے اور اس وقت حدِ امکان سے باہر نظر آتا ہے بلکہ اس لیے کہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینے والے آپریشن نوجوان شادی شدہ جوڑوں میں مقبول نہیں ہو سکیں گے۔ علاوہ ازیں یہ آپریشن ناقابلِ تغیر ہے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ لوگوں کا اعتماد حاصل نہیں کر سکے گا۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں شیر خوار بچوں اور بچوں کی شرح اموات بہت زیادہ بلند ہے۔ لہٰذا اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینے والے آپریشنوں کا وظیفہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ بہت محدود ہے اور رحم کے اندر لگائی جانے والی مانع حمل اشیاء کے مروج ہونے سے ان کا فرضِ منصبی اور زیادہ محدود ہو گیا ہے۔

سولھواں باب

رحم کے اندر لگائی جانے والی مانع حمل اشیاء

ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول) کے تمام جدید طریقوں میں رحم کے اندر لگائی جانے والی شے بے نظیر ہے چونکہ اس کے لیے صرف ابتدائی ترغیب کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر یہ سالوں تک مؤثر ڈھنگ سے استقرارِ حمل کو روکتی ہے۔ رحم کے اندر ایک اجنبی شے کی موجودگی رحم اور نالی کی حرکت میں تبدیلیاں پیدا کرتی ہے۔ آج دنیا بھر میں رحم کے اندر لگائی جانے والی اشیاء استعمال ہو رہی ہیں۔ پولی تھلین، اسٹین لیس فولاد، نائلون، ریشمی ڈور اور دیگر اشیا استعمال کی گئی ہیں۔ پولی تھلین کی اشیاء لچک دار ہوتی ہیں اور ان کو رحم کی شکل کی نلکی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اس نلکی کا سائز اور نمونہ وہی ہوتا ہے جسے عورتوں کی بیماریوں کے ماہرین تشخیص کے طریقِ کار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ نلکی رحم کی نالی میں داخل کر دی جاتی ہے اور پھر شگاف میں ایک چمٹی کے ذریعہ دھکیل دی جاتی ہے۔ دیگر اشیاء کے لیے شگاف کو ذرا کشادہ کرنا پڑتا ہے مگر یہ کام بھی سُن کر دینے کی دواؤں کے بغیر کیا جا سکتا ہے اور عورتیں زیادہ بے چین نہیں ہوتیں۔ ان اشیاء کو رحم کے شگاف میں جزوی طور پر رحم کے لیے دندانے دار آلے سے یا رحم کی مرہم پٹی کرنے والی چمٹی سے جزوی طور پر اوندھے مُنھ داخل کر دیا جاتا ہے۔

تائی وان (فارموسا) ہانگ کانگ اور کوریا کی جو رپورٹیں سیول میں ۱۹۶۵ء میں منعقدہ آئی۔پی۔ایف کی مغربی بحرالکاہلی علاقائی کانفرنس میں پیش کی گئیں ان سے پتہ چلا کہ رحم کے اندر نصب کی جانے والی مانع حمل اشیاء ان ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام میں اہم پارٹ ادا کر رہی ہیں۔ لپ کا لوپ کوریا میں ستمبر ۱۹۶۴ء میں رائج کیا گیا اور مئی ۱۹۶۴ء میں لوپ لگانے کا کام خاندانی منصوبہ بندی کے قومی پروگرام کا ایک باقاعدہ حصہ بن گیا پہلے ۲۰ مہینوں کے دوران جو لوپ کی تحقیق اور اس کی چھان بین کا عرصہ تھا کُل ۳۶۴، عورتوں کے لپ کا لوپ لگایا گیا۔ دیگر ۴۴۴۵ ۲ عورتوں کے لوپ مئی ۱۹۶۴ء سے جولائی ۱۹۶۵ء کے درمیان ۱۴ مہینے کے اندر لگایا گیا۔ کوریا کی دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ جن عورتوں نے لوپ لگوایا تھا ان میں سے ۴۴ فیصدی عورتوں کا پہلے سال کے دوران دو یا دو سے زیادہ مرتبہ از سر نو معائنہ کیا گیا۔ ان کی دستاویزات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے لوپ لگائے گئے تھے ان میں سے ، فیصدی خود باہر نکل آئے اور ۱۸ فیصدی لوپ ۱۲ مہینے کے استعمال

کے بعد ہٹا دیے گئے۔ اور ۲ فیصدی لُوپ ایسے تھے کہ ان کے باوجود عورتیں حاملہ ہوگئیں۔ کوریا نے ۱۹۷۱ء کے آخر تک دس لاکھ لُوپ لگانے کا نشانہ مقرر کیا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر سال ۲ لاکھ سے ۳ لاکھ تک لُوپ لگانے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔

رحم کے اندر لگائی جانے والی مانع حمل شے لپ کا لُوپ اور مارگولیس چھلّا ۱۹۶۲ء میں تائی وان میں پہلی بار مروج کیا گیا اور اس نے خاندانی منصوبہ بندی کا نیا دور تخلیق کیا۔ تائی چنگ تجرباتی پروگرام کے حوصلہ افزا نتائج کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جنوری ۱۹۶۴ء میں ایک توسیعی پروگرام نشر کیا گیا اور تائی چنگ سے دور واقع علاقوں میں زیادہ تر لپ کا لُوپ استعمال کیا گیا۔ اب تمام صوبے میں یہ پروگرام جاری ہے۔

توسیعی عمل کے پروگرام کی ابتدا سے پہلے تائی چنگ تجرباتی پروگرام نے ۳۵۶۰ عورتوں کے لُوپ لگائے۔ ۱۹۶۴ء کے دوران کل ۴۶۶۰۰ عورتوں کے لوپ لگایا گیا۔ یہ تعداد ۵۰ ہزار کے سالانہ نشانہ کے ۹۳ فیصدی حصّے کے برابر تھی۔ مئی ۱۹۶۵ء کے آخر تک تائی وان میں کل ۹۵۴۸۷ شادی شدہ عورتوں نے لُوپ کو قبول کیا۔ لُوپ کو قبول کرنے کی شرح ۲۰ سے ۳۹ برس کی عمر کی کل شادی شدہ عورتوں میں ۴ء۷ فیصدی تھی شہروں میں جو عورتیں لُوپ کو قبول کرتی ہیں ان کی شرح (۶۵ء۱۶ فیصدی) دیہی علاقوں کی عورتوں کی نسبت زیادہ ہے (۲ء۶۲ فیصدی)۔ ۱۹۶۳ء میں اس صوبے کی ادھوری شرح پیدائش ایک ہزار کے پیچھے ۳۶۶۳ تھی۔ ۱۹۶۴ء میں یہ ۳۴۶۵ تک کم ہوگئی۔ ۵ فیصدی کی کمی ہوئی۔ تائی چنگ شہر میں جہاں رحم کے اندر مانع حمل اشیاء لگانے کا پروگرام ۱۹۶۳ء میں شروع کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۴ء کے درمیان ادھوری شرح پیدائش میں کمی ۲۳ء۶ فیصدی تھی

تائی چنگ میں ۴۶۶۵ کیسوں کا بعد کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ۱۲ مہینے کے استعمال کے بعد لوپوں کے نکل آنے، ہٹا دیے جانے اور عورتوں کے حاملہ ہو جانے کی شرح ۴ء۳۶ فیصدی تھی اور ۲۴ مہینے کے استعمال کے بعد ۵۱ فیصدی تھی۔ جن مانع حمل اشیاء کو ابتدا میں رائج کیا جاتا ہے ان میں سے تقریباً ۲۸ فیصدی ۲۴ مہینے کے استعمال کے بعد اُتار دی جاتی ہیں۔ ۱۵ فیصدی خود بخود نکل آتی ہیں اور ۸ فیصدی کی وجہ سے عورتیں حاملہ ہو جاتی ہیں۔

۱۹۶۳ء میں ہانگ کانگ میں ۱۶۰۰ عورتوں کے سلسلے میں رحم کے اندر مانع حمل اشیاء کے استعمال کا تجرباتی پروگرام شروع کیا گیا۔ اس وقت سے لپ کا لُوپ بہت مقبول ہو گیا ہے۔ یہ اُمید کی جاتی ہے کہ اندازے کے مطابق ہانگ کانگ میں بچّے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ۵ لاکھ عورتوں میں سے ۵۰ ہزار عورتیں ۱۹۶۵ء میں خاندانی منصوبہ بندی کے شفا خانوں میں آئیں گی اور اس کے بعد زیادہ عورتیں آئیں گی صرف ۱۹۶۴ء میں ۶۰۲۸۴ مریض

(۱۹۲۰ نئے ۱۱۸ ۲۴ موجودہ) تھے اور وہ ۱۶۷،۰۶ سے زاید باران شفاخانوں میں آئے تھے۔ رحم کے اندر مانع حمل اشیار لگانے کے پروگرام کو رائج کیے جانے کے بعد شرحِ پیدائش ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے ۳۴ سے کم ہو کر ۱۹۶۴ء میں ایک ہزار کے پیچھے تقریباً ۲۹ ہو گئی۔ ہانگ کانگ میں خاندانی منصوبہ بندی کا اصل مقصد یہ ہے کہ پانچ یا دس سال کی مدت میں شرحِ پیدائش ایک ہزار آبادی کے پیچھے تقریباً ۲۰ تک کم کر دی جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے امکانات روشن نظر آتے ہیں۔

پاکستان میں رحم کے اندر لگائی جانے والی مانع حمل اشیار کے مطالعے کے تحت جسے ۱۹۶۴ء کے اوائل میں شروع کیا گیا تھا تقریباً ۴۲ شفاخانے کام کر رہے ہیں۔ ۵۲۰۰۰ عورتوں کے لُوپ لگائے گئے ہیں۔ لُوپ لگائے جانے کے بعد کے نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ جتنے لُوپ لگائے گئے تھے ان میں سے ۲۵ فیصدی لُوپ ۱۲ مہینے کے بعد نکل آتے ہیں یا ہٹا دیے جاتے ہیں اور ۱۸ مہینے کے استعمال کے بعد ۳۳ فیصدی لوپ نکل آتے ہیں یا ہٹا دیے جاتے ہیں پاکستان اب ہر مہینے ۵ ہزار لوپ لگانے کے نشانے تک جا پہنچا ہے۔

ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی کے اہم طریقے کی حیثیت سے لوپ کو اختیار کیے جانے کے باعث ۱۹۶۴ء میں "خاندانی منصوبہ بندی کے توسیعی پروگرام" کو تقویت دی گئی۔ لُوپ بہت ہی مقبول ثابت ہوا اور مارچ ۱۹۶۵ء تک تقریباً ۲،۷ لاکھ عورتوں نے اس سہولت کا فائدہ اٹھایا۔ ستمبر ۱۹۶۶ء تک لوپ استعمال کرنے والی عورتوں کی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ہو گئی۔ ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے پنجاب میں ۹ عورتیں، دلّی میں ۸ عورتیں گجرات میں ۵ عورتیں اور مہاراشٹر میں ۴ عورتیں لُوپ استعمال کر رہی ہیں۔ حکومت کا نشانہ یہ ہے کہ ۱۹۶۶-۶۷ء کے دوران ۲۴ لاکھ لُوپ لگائے جائیں۔ اُمید کی جاتی ہے کہ چوتھے پلان کے پانچویں سال میں اس نشانے کو بڑھا کر تقریباً ایک کروڑ کر دیا جائے گا۔

ملک میں اس طریقے کا احتیاط سے جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ دلّی[1] میں ۹۰۰ مریضوں پر مبنی بعد کا جو مطالعہ کیا گیا تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتدا میں جتنے لوپ لگائے گئے تھے ان میں سے تقریباً ۲۱ فیصدی لوپ ۱۲ مہینے کے بعد نکل آئے یا نکال دیئے گئے اور ۲۴ مہینوں کے استعمال کے بعد ۳۰ فیصدی لوپ نکل آئے یا نکال دیے گئے (گوشوارہ ۵۱) ہندوستان میں عام طور سے لِپ کے لوپوں کے دو سائز استعمال کیے جاتے ہیں ۲۷،۵ ملی میٹر

---

[1] ایس۔ این۔ اگروال کا مقالہ "لوپ لگانے کے بعد کا مطالعہ۔ ہندوستانی تجربہ۔ دلی۔" جسے معاشی ترقی کے ادارے نے ۱۹۶۶ء میں شایع کیا۔ صفحات ۱۱ (مموگراف)

اور ۳۰ ملی میٹر۔ چھوٹے سائز کے لوپ زیادہ تعداد میں باہر نکل آتے ہیں اور بڑے سائز کے لوپ زیادہ تعداد میں اُتار دیے جاتے ہیں۔ چھوٹے لوپوں کا جہاں تک تعلق ہے ان کے سلسلے میں حاملہ ہونے والی عورتوں کی شرح بھی بلند ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگر عورت کے بڑا لوپ لگایا جاتا ہے تو اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ زیادہ خون بہتا ہے اور وہ درد بھی محسوس کرتی ہے اس کی وجہ سے وہ لوپ اُتروا دیتی ہے۔ بہرکیف اگر چھوٹا لگایا جائے تو اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ لوپ نکل جائے گا۔ لہٰذا مناسب لوپ فٹ کرنا ایک اہم معاملہ ہے۔

ہندوستان میں لوپوں کے نکل آنے اور اُتار دیے جانے کی شرح کا جو تجربہ ہوا ہے وہ اس تجربے سے ملتا جلتا ہے جو ایشیا کے دیگر ممالک مثلاً تائی وان، کوریا، پاکستان اور تھائی لینڈ میں ہوا ہے۔ بہرکیف تکلیف کی شرح (دیر تک خون جاری رہنا، ماہواری کا کھل کر آنا، بدن میں درد رہنا، کمر کا دکھنا وغیرہ) ہمارے ملک میں غیر معمولی طور پر بلند ہے۔ ایشیا کے جن ممالک نے لوپ کا تجربہ کیا ہے ان میں سے بیشتر ممالک میں پہلے مہینے میں تکلیف کی شرح ۶۰۔ ۵۰ فیصدی ہے اور تیسرے مہینے کے بعد یہ بہت کم ہو جاتی ہے۔ تقریباً ۶۔ ۵ فیصدی رہ جاتی ہے۔ بہرحال ہندوستان میں تکلیف کی شرح بہت بلند ہے یعنی پہلے مہینے میں ۷۰ فیصدی ہے اور ۱۲ مہینے کے بعد بھی تقریباً ۴۰ فیصدی رہتی ہے (گوشوارہ ۵۲)۔ یہ ایک سنجیدہ مسئلہ ہے جس پر گہرے غور کی ضرورت ہے۔

ہندوستان میں لوپ لگوانے والی عورتوں کو تکلیف کی جس بلند سطح کا تجربہ ہو رہا ہے اس کی وجہ سے اس طریقے پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے اور اس کی مقبولیت کم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمارے ملک میں تکلیف کی بلند شرح کے اسباب کی تحقیقات ضروری ہے اور اس پر قابو پایا جانا چاہیے۔ ڈاکٹروں کی یہ رائے ہے کہ اگر لوپ لگانے کے وقت مریضوں کی نرمی اور احتیاط سے دیکھ بھال کی جائے تو جریان خون اور درد کو بہت کم کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں اس بات کی جانچ کرنا بہتر رہے گا۔ اس بات کی تحقیقات کرنا بھی مناسب ہو گا کہ کیا ہندوستان میں قلیل عرصے کے لیے ڈاکٹروں کی تربیت تکلیف کی بلند شرح کا باعث تو نہیں ہے۔ اس امر کا پتہ چلانا بھی مناسب ہو گا کہ کیا لوپ لگائے جانے کے بعد کی ناکافی دیکھ بھال تو کہیں ہندوستان میں تکلیف کی بلند شرح کا سبب تو نہیں ہے۔ ہند سرکار چونکہ لوپ پر یہ بھروسہ کر رہی ہے کہ وہ شرح پیدائش میں کافی کمی کر دے گا اس لیے یہی بہتر رہے گا کہ تکالیف کو بہت کم کر دیا جائے۔

گوشوارہ ۵۱

ٹوپ کے نکلنے، اتار دیئے جانے، استقرارِ حمل اور باہر گر پڑنے کی شرحیں (فی ۱۰۰ کیسوں کی شرح)

	نکل جانے کی شرحیں				اتار دیئے جانے کی شرحیں				استقرارِ حمل کی شرحیں				باہر گر پڑنے کی کل شرح			
	استعمال کے مہینے				استعمال کے مہینے				استعمال کے مہینے				استعمال کے مہینے			
	۶	۱۲	۱۸	۲۴	۶	۱۲	۱۸	۲۴	۶	۱۲	۱۸	۲۴	۶	۱۲	۱۸	۲۴
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷
ٹوپ کا سائز																
۲٫۶۵ ملی میٹر	۵٫۹	۸٫۹	۱۰٫۷	۱۱٫۲	۷٫۰	۱۲٫۳	۲۰٫۷	۲۵٫۸	۱٫۱	۱٫۴	۲٫۰	۳٫۲	۱۳٫۵	۲۱٫۲	۳۰٫۸	۳۶٫۴
۳٫۰۶ ملی میٹر	۴٫۱	۶٫۴	۷٫۹	۸٫۹	۶٫۰	۱۳٫۸	۱۹٫۹	۲۸٫۲	۱٫۱	۱٫۱	۱٫۴	۱٫۸	۱۰٫۹	۲۰٫۳	۲۷٫۴	۳۵٫۹
عورتوں کی عمر																
۲۴ اور اس سے کم	۵٫۴	۹٫۹	۱۲٫۸	۱۲٫۸	۶٫۴	۱۷٫۲	۳۳٫۰	۴۲٫۶	۰٫۶	۱٫۳	۲٫۱	۵٫۹	۱۳٫۱	۲۶٫۶	۴۳٫۰	۵۳٫۱
۲۵—۲۹	۳٫۶	۶٫۲	۷٫۰	۱۱٫۵	۵٫۳	۱۱٫۲	۱۹٫۳	۲۴٫۲	۰٫۷	۰٫۷	۲٫۰	۲٫۷	۹٫۴	۱۷٫۴	۲۶٫۶	۳۴٫۹
۳۰—۳۴	۶٫۲	۸٫۱	۹٫۳	۹٫۷	۶٫۹	۱۲٫۶	۱۴٫۷	۲۲٫۹	۲٫۳	۲٫۳	۲٫۳	۳٫۱	۱۴٫۸	۲۰٫۷	۲۴٫۸	۳۲٫۶
۳۵ +	۵٫۶	۶٫۹	۹٫۲	۱۰٫۲	۹٫۷	۱۳٫۴	۱۷٫۳	۲۶٫۲	۰٫۶	۰٫۶	۰٫۶	۰٫۶	۱۵٫۳	۲۰٫۰	۲۵٫۳	۳۴٫۲
کل استقرارِ حمل																
۱—۳	۷٫۶	۱۲٫۶	۱۵٫۳	۱۵٫۳	۷٫۵۰	۱۷٫۵	۳۱٫۷	۴۲٫۱	۰٫۰	۰٫۰	۰٫۸	۳٫۵	۱۴٫۶	۲۸٫۱	۴۲٫۸	۵۲٫۹
۴—۵	۳٫۲	۵٫۴	۶٫۴	۸٫۶	۶٫۹	۱۴٫۴	۲۱٫۳	۲۶٫۶	۲٫۱	۲٫۱	۳٫۶	۵٫۳	۱۱٫۸	۲۰٫۹	۲۹٫۱	۳۶٫۶
۶—۸	۴٫۷	۶٫۴	۶٫۹	۶٫۹	۵٫۳	۸٫۶	۱۵٫۵	۱۵٫۶	۱٫۰	۱٫۶	۱٫۶	۱٫۶	۱۰٫۷	۱۵٫۸	۲۲٫۷	۳۱٫۹
۸ +	۵٫۵	۷٫۵	۱۰٫۱	۱۰٫۲	۷٫۸	۱۳٫۰	۱۵٫۴	۲۱٫۴	۰٫۹	۰٫۹	۰٫۹	۰٫۹	۱۳٫۸	۲۰٫۴	۲۴٫۹	۳۰٫۲

گوشوارہ ۵۱ (جاری)

شوہر کا پیشہ																
کاروبار	۳٫۳	۵٫۸	۸٫۱	۸٫۸	۷٫۰	۱۴٫۲	۲۳٫۳	۳۱٫۴	۱٫۷	۱٫۵	۲٫۰	۳٫۷	۱۱٫۵	۲۰٫۵	۳۰٫۱	۳۹٫۹
ملازمت	۷٫۱	۱۰٫۰	۱۱٫۰	۱۱٫۴	۷٫۲	۱۳٫۳	۱۹٫۳	۲۴٫۵	۱٫۱	۱٫۴	۲٫۴	۳٫۳	۱۴٫۸	۲۳٫۲	۳۰٫۰	۳۵٫۴
ہنرمند مزدور	۲٫۷	۶٫۵	۷٫۵	۹٫۲	۴٫۵	۱۲٫۰	۱۹٫۸	۳۱٫۲	۰٫۹	۰٫۹	۰٫۹	۰٫۹	۷۰٫۹	۱۸٫۵	۳۶٫۶	۳۸٫۲
تعلیم																
ان پڑھ (بیوی)	۵٫۹	۹٫۷	۱۲٫۴	۱۲٫۴	۶٫۷	۹٫۶	۱۵٫۶	۲۳٫۱	۰٫۸	۰٫۸	۱٫۷	۱٫۷	۱۳٫۰	۱۹٫۱	۲۷٫۴	۳۳٫۰
بیوی ان پڑھ شوہر تعلیمیافتہ	۵٫۲	۸٫۲	۹٫۵	۹٫۵	۸٫۶	۱۱٫۶	۱۹٫۵	۳۶٫۴	۱٫۱	۱٫۱	۲٫۵	۲٫۵	۱۴٫۳	۱۹٫۸	۲۹٫۱	۳۵٫۲
میاں اور بیوی میٹرک اور اس سے کم	۴٫۷	۷٫۳	۸٫۲	۹٫۴	۶٫۲	۱۴٫۴	۲۱٫۳	۲۹٫۸	۱٫۰	۱٫۰	۱٫۳	۲٫۷	۱۱٫۶	۲۱٫۵	۲۸٫۸	۳۸٫۳
بیوی میٹرک سے کم شوہر میٹرک سے زیادہ	۶٫۵	۶٫۵	۸٫۶	۸٫۶	۹٫۸	۱۷٫۳	۳۶٫۷	۲۸٫۶	۱٫۵	۱٫۹	۳٫۰	۳٫۰	۱۷٫۳	۲۴٫۲	۴۵٫۲	۳۶٫۹
میاں بیوی تعلیمیافتہ	۴٫۸	۶٫۹	۸٫۰	۹٫۰	۶٫۹	۱۴٫۶	۲۳٫۲	۲۹٫۵	۱٫۳	۱٫۵	۱٫۹	۳٫۳	۱۲٫۵	۲۱٫۸	۲۹٫۹	۳۸٫۹
بیوی تعلیمیافتہ	۴٫۷	۶٫۷	۷٫۸	۸٫۸	۶٫۹	۱۴٫۸	۲۲٫۴	۳۰٫۱	۱٫۲	۱٫۴	۱٫۹	۳٫۳	۱۲٫۴	۲۱٫۸	۲۹٫۹	۳۸٫۴
تمام	۵٫۱	۷٫۶	۹٫۲	۹٫۹	۶٫۸	۱۳٫۲	۲۰٫۳	۲۷٫۷	۱٫۱	۱٫۲	۱٫۸	۲٫۸	۱۲٫۶	۲۱٫۰	۲۹٫۱	۳۶٫۸

دوسرا باب

کم ترقی یافتہ ممالک کی آبادی میں اضافہ اور معاشی ترقی

ٹامس رابرٹ مالتھس نے آبادی میں اضافہ کی حمایت نہ کی اور اسے عوام النّاس کے افلاس کا سب سے بڑا سبب سمجھا۔ اس کی یہ رائے بھی تھی کہ سماجی اصلاحات کے ذریعے عوام کو غم و اندوہ سے نجات نہیں دلائی جا سکتی کیوں کہ اصلاحات سے جو فائدہ ہوگا اسے وہ لوگ ہڑپ کر جائیں گے جو آبادی میں نئے اضافے کرتے ہیں۔ جدید مصنّفین مالتھس کے حد سے زیادہ آسان دلائل کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اس مفروضے سے اتفاق کرتے ہیں کہ بعض حالات میں آبادی میں اضافہ معاشی اور سماجی ترقی میں رخنہ انداز ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر زمین، دیگر قدرتی ذرائع، سرمایہ اور تربیت یافتہ اور قابل جن شکتی کی قلّت تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث پھیلتی ہوئی پیداوار کا توازن قائم رکھنا دشوار بنا سکتی ہے۔ برعکس اس کے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ بعض حالات میں آبادی میں اضافہ معاشی ترقی کے لیے مثبت طور پر فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا صرف ان ممالک میں ہو سکتا ہے جہاں قدرتی ذرائع کے بڑے بڑے ذخیرے کافی جن شکتی کے نہ ہونے سے یا بڑے پیمانہ کی صنعتوں کے لیے کافی منڈیاں نہ ہونے سے فروغ نہیں پاتے ہیں۔

اس سوال کا کوئی عام جواب نہیں دیا جا سکتا ہے کہ آبادی میں اضافہ عوام کی مادّی خوش حالی پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سوال کے جواب کا انحصار متعدد حالات پر ہے اور ان تمام حالات کا جائزہ اس لیے لینا چاہیے تاکہ ملک کی آبادی کے مسئلے کو سمجھا جا سکے۔ اس وقت ترقی یافتہ اور کم ترقی یافتہ ممالک میں متعلقہ حالات بہت مختلف ہیں۔

افریقہ، ایشا اور لاطینی امریکہ میں بہت سے کم ترقی یافتہ ممالک غیر معمولی قدرتی ذرائع کے بے پناہ ذخیرے رکھتے ہیں لیکن وہاں ان ذخیروں کو فروغ دینے کے لیے سرمایہ اور ٹیکنیکل اعتبار سے تربیت یافتہ جن شکتی کی قلّت ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے صنعتی کارخانے یورپ اور شمالی امریکہ کے چند ممالک میں مرکوز ہیں۔ جبکہ وہ ممالک جن کے حالات ناساز گار ہیں اتنے معذور ہیں کہ وہاں سادہ اوزاروں کی بھی کمی ہے۔

آبادی کے موجودہ رجحانات کچھ ایسے ہیں کہ پیداوار کے ذرائع کے اعتبار سے لوگوں کی تعداد کی

گوشوارہ ۵۲

لوپ کے استعمال سے مہینوں کے اعتبار سے شکایات کی شرح (فی ۱۰۰ کیسوں کی شرح میں)

استعمال کے مہینے	جریانِ خون یا خون کے دھبے	سفید رطوبت کا اخراج	بے قاعدہ ماہواری	سر کا درد اور بدن کا درد	چھوت کی بیماری یا سوجن	دیگر شکایات	تمام شکایات
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱	۴۲٫۶۰	۱۰٫۶۱	۷٫۶۷	۱۰٫۶۴	۱٫۶۵	۲٫۶۷	۷۴٫۶۴
۲	۴۰٫۶۴	۱۰٫۶۱	۷٫۶۷	۱۰٫۶۴	۱٫۶۲	۲٫۶۶	۷۲٫۶۸
۳	۴۰٫۶۰	۱۰٫۶۱	۷٫۶۷	۱۰٫۶۳	۱٫۶۲	۲٫۶۰	۷۱٫۶۸
۴	۳۹٫۶۲	۱۰٫۶۱	۷٫۶۷	۹٫۶۹	۱٫۶۱	۲٫۶۰	۷۰٫۶۵
۵	۳۸٫۶۹	۱۰٫۶۱	۷٫۶۶	۹٫۶۸	۰٫۶۹	۲٫۶۰	۶۹٫۶۹
۶	۳۸٫۶۷	۱۰٫۶۰	۷٫۶۶	۹٫۶۸	۰٫۶۸	۲٫۶۰	۶۹٫۶۲
۷	۳۷٫۶۰	۹٫۶۶	۷٫۶۶	۹٫۶۸	۰٫۶۸	۲٫۶۰	۶۷٫۶۷
۸	۳۶٫۶۶	۹٫۶۶	۷٫۶۶	۹٫۶۶	۰٫۶۸	۲٫۶۰	۶۶٫۶۸
۹	۳۶٫۶۲	۹٫۶۶	۷٫۶۶	۹٫۶۳	۰٫۶۸	۲٫۶۰	۶۶٫۶۲
۱۰	۳۵٫۶۳	۹٫۶۶	۷٫۶۶	۹٫۶۳	۰٫۶۸	۲٫۶۰	۶۵٫۶۶
۱۱	۳۴٫۶۷	۹٫۶۶	۷٫۶۶	۹٫۶۱	۰٫۶۸	۲٫۶۰	۶۵٫۶۰

گوشواره ۵۲ (جاری)

۱۲	۳۴٫۲	۹٫۶	۷٫۶	۹٫۱	۰٫۸	۲٫۰	۶۴٫۵
۱۳	۳۳٫۹	۹٫۵	۷٫۶	۸٫۵	۰٫۷	۱٫۹	۶۲٫۴
۱۴	۳۳٫۸	۹٫۴	۷٫۶	۸٫۵	۰٫۷	۱٫۷	۶۰٫۰
۱۵	۳۳٫۴	۹٫۴	۷٫۶	۸٫۵	۰٫۴	۱٫۷	۶۱٫۴
۱۶	۳۲٫۴	۸٫۹	۷٫۶	۸٫۵	۰٫۴	۱٫۶	۵۹٫۸
۱۷	۳۱٫۹	۸٫۳	۷٫۶	۷٫۵	۰٫۴	۱٫۴	۵۷٫۷
۱۸	۳۱٫۹	۸٫۳	۷٫۶	۷٫۳	۰٫۲	۱٫۴	۵۷٫۷
۱۹	۳۱٫۹	۸٫۳	۷٫۶	۶٫۹	۰٫۰	۱٫۰	۵۷٫۷
۲۰	۳۱٫۹	۸٫	۷٫۶	۶٫۸	۰٫۰	۱٫۰	۵۶٫۸
۲۱	۳۱٫۴	۷٫۰	۷٫۶	۶٫۰	۰٫۰	۱٫۰	۵۴٫۹
۲۲	۳۱٫۴	۶٫۳	۷٫۶	۶٫۰	۰٫۰	۱٫۰	۵۱٫۹
۲۳	۳۱٫۱	۶٫۳	۷٫۶	۶٫۰	۰٫۰	۱٫۰	۵۴٫۹
۲۴	۲۹٫۶	۶٫۱	۷٫۶	۶٫۰	۰٫۰	۱٫۰	۵۴٫۱

سترھواں باب

شادی کے وقت عورت کی عُمر میں اِضافہ کا شرحِ پیدائش پر اثر

ایک عورت جسمانی اعتبار سے اس قابل ہوتی ہے کہ جب اس کی عمر ۱۵ اور ۴۵ برس کے درمیان ہوتی ہے تو وہ بچے پیدا کر سکتی ہے۔ بہرکیف اس مدت کے دوران وہ کتنے بچوں کو جنم دے سکتی ہے اس کا دارومدار ان باتوں پر ہے (الف) وہ عمر جس میں وہ بچے پیدا کرنے شروع کرتی ہے یعنی شادی کی عمر اور (ب) وہ رفتار جس سے وہ بچوں کو جنم دیتی ہے۔ ایک شادی شدہ عورت جو خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے استعمال نہیں کرتی ہے اس کے ہاں اس عورت کی نسبت تیزی سے بچے پیدا ہوتے ہیں جو خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے استعمال کرتی ہے۔ مالتھس پہلا شخص تھا جس نے مشورہ دیا تھا کہ زمین پر آبادی کا دباؤ کم کرنے کے لیے عورتوں کی شادی کی عمر کو ملتوی کیا جائے۔ کیتھولک مذہب سے تعلق رکھنے والی آبادی اس اقدام کی حمایت کرتی ہے۔ اسرائیل میں آبادی کو روکنے کا یہ اہم ترین طریقہ ہے۔ آئرلینڈ میں آبادی میں اضافہ کی سست رفتار کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ عورتیں بڑی عمر میں شادی کراتی ہیں (تقریباً ۲۷ برس) اور شادی کے وقت اتنی بڑی عُمر دنیا بھر میں زیادہ ہے۔ کمیونسٹ چین بھی اپنی ۷۵ سے ۸۰ کروڑ تک کی آبادی کے اضافہ کی رفتار کم کرانے کے لیے اسی طریقے پر بھروسہ کر رہا ہے۔ کمیونسٹ چین میں لڑکیوں کو ۲۰ برس کی عمر سے پہلے شادی کرنے کی ممانعت ہے۔

ٹی۔ ایچ۔ فان نے اندازہ لگایا ہے کہ تائی وان (فارموسا) میں ۱۹۵۰ء میں ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے عورتوں کی شادیاں ۱۰ سے گھٹا کر ۱۹۵۳ء میں ۹ کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرحِ پیدائش ایک ہزار کے پیچھے ۵۰ سے کم ہو کر ۴۴.۶ ہو گئی یعنی ۳ سال میں ۱۱ فیصدی کی کمی ہوئی۔ یُن کم کے بیان کے مطابق کوریا میں شرحِ پیدائش ۱۶.۵ فیصدی کم ہو گئی ہے کیونکہ عورتوں کی شادی کی عمر ۱۹۵۵ء میں ۱۶.۵ سال سے بڑھا کر ۱۹۶۰ء میں ۲۱.۳ سال کر دی گئی۔ کچھ ایسا ثبوت بھی ملتا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جاپان میں جنگ کے بعد شرحِ پیدائش میں کمی کے ایک حصہ کی وجہ یہ تھی عورتوں کی شادی کی عمر بڑھا دی گئی تھی۔ اور اس کی وجہ عام خیال کے مطابق مکمل طور سے یہ نہیں تھی کہ وسیع پیمانے پر حمل گرائے گئے۔

ہندوستان میں وہ عمر جس میں عورتیں شادی کرتی ہیں بہت ہی کم ہے۔ ۳۱-۱۹۲۱ء کے دوران شادی کی اوسط عمر اتنی کم تھی کہ ۱۲.۵ برس تھی۔ قانونی عمل اور دیگر سماجی و تعلیمی تبدیلیوں کے باعث ۱۹۶۰ء میں یہ بڑھ کر ۱۶ برس ہو گئی اگر یہ بڑھ کر ۲۰ برس ہو جائے تو اس اَمر کا امکان ہے کہ شرحِ پیدائش ۳۰ فیصدی تک کم ہو جائے گی۔ یعنی ایک ہزار

آبادی کے پیچھے شرح پیدائش جو اس وقت ۴۰ ہے کم ہو کر ۲۷ رہ جائے گی۔

اس بات کا پتہ چلا ہے کہ ہندوستان میں شادی شدہ عورت کے ہاں افزائش نسل کی صلاحیت رکھنے والے تمام عرصے کے دوران اوسطاً ۶۶ء ۶ بچے پیدا ہوتے ہیں یعنی ۱۵ سے ۴۵ برس کی عمر کے دوران۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ جو عورتیں ۱۵ سے ۱۹ برس کی عمر کے درمیان شادی کراتی ہیں ان عورتوں کی نسبت بہت زیادہ بچوں کو جنم دیتی ہیں جو ۲۰ برس کی عمر میں شادی کراتی ہیں۔ مثال کے طور پر میسور کے سروے میں جو اقوام متحدہ نے کیا تھا اس بات کا پتہ چلا کہ جو دیہاتی عورتیں ۱۴ سے ۱۷ برس کی عمر کے درمیان شادی کرتی ہیں وہ ۶۹ء ۵ بچوں کو جنم دیتی ہیں اور جو عورتیں ۱۸ سے ۲۱ برس کی عمر کے درمیان شادی کراتی ہیں صرف ۷۶ء ۴ بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ ڈاکٹر ڈی۔ این۔ موزمدار کو کانپور میں اس امر کا پتہ چلا کہ جو عورتیں ۱۵ برس کی عمر تک شادی کرتی ہیں ۶۹ء ۶ بچوں کو جنم دیتی ہیں اور جو عورتیں ۱۹ برس کے بعد شادی کرتی ہیں وہ صرف چھ بچے پیدا کرتی ہیں۔ مدراس میں ڈاکٹر آر۔ بالکرشن کو دلی میں ڈاکٹر ایس۔ این۔ اگروال کو اور کلکتہ میں ڈاکٹر ایس بی مکرجی کو اس بات کا پتہ چلا کہ جو عورت ۱۹ سال کے بعد شادی کراتی ہے اس کے ہاں جلد شادی کر لینے والی عورتوں کی نسبت ۶۵ء۰ سے ۶۰ء۱ کے درمیان کم بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے رجسٹرار جنرل نے ملک گیر پیمانے پر حال ہی میں افزائش نسل کی صلاحیت سے متعلق اعداد و شمار جمع کیے ہیں۔ ابھی مکمل نتائج شائع نہیں کیے گئے ہیں لیکن جو اعداد و شمار دستیاب ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ کیرل میں ۱۸ برس سے کم عمر میں شادی کرانے والی عورتوں کے ہاں ۲۲ء۶ بچے پیدا ہوئے جبکہ ۱۸ سے ۲۲ سال کی عمر کے درمیان شادی کرانے والی عورتوں کے ہاں ۶۵ء ۵ بچے اور ۲۳ برس کی عمر کے درمیان شادی کرانے والی عورتوں کے ہاں ۴۰ء۴ بچے پیدا ہوئے۔ اسی طرح شہری پنجاب میں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد ۶۰ء۶، ۶۵ء۵ اور ۴۷ء۶ تھی جبکہ عورتوں کی شادی کی عمر بالترتیب ۱۸ سے کم تھی، ۱۸ اور ۲۲ سال کے درمیان تھی اور ۲۳ سال سے اوپر تھی لہٰذا یہ بات بالکل صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ جن ہندوستانی عورتوں نے ۱۹ برس کی عمر کے بعد شادی کرائی ان کے ہاں کم بچے پیدا ہوئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نازک عمر ۱۹۔ ۲۰ سال کی ہوتی ہے اور جو عورتیں اس سے بھی پہلے شادی کراتی ہیں یعنی ۱۶ اور ۱۸ سال کے درمیان شادی کراتی ہیں ان دونوں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد برابر ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک عورت کی شادی کرانے کی عمر کو بیس سال تک ملتوی نہیں کیا جائیگا تب تک شرح پیدائش پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑے گا۔

عورتوں کی شادی کی عمر بڑھانے سے شرح پیدائش میں کمی کے دو اسباب ہیں: پہلا سبب تو یہ ہے کہ افزائش نسل کی صلاحیت والے عرصے میں ۵ برس کی کمی ہو جاتی ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ افزائش نسل کا انداز تھوڑے

بچوں کے حق میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شاید تعلیم اور زندگی کو جدید رنگ میں ڈھالنے کی وجہ سے۔ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ افزائش نسل والی صلاحیت والے عرصے میں کمی کا تنہا نتیجہ یہ ہوگا کہ شرح پیدائش میں ۱۴ فیصدی کی کمی ہوگی بلکہ صرف یہی فائدہ نہیں ہوگا۔ عورتیں کم بچے پیدا کریں گی یعنی عمر کے اعتبار سے افزائش نسل کی کم شرحوں سے دوچار ہوں گی۔[1] اس کا ثبوت مدراس، دلی اور کیرل[2] میں کیے گئے معائنوں سے بھی ملتا ہے۔ یہ بات شرح پیدائش کو مزید کم کرے گی مشترکہ اثر یہ ہوگا کہ ایک نسل کے زمانہ میں یعنی ۲۸ برس کے دوران تقریباً ۳۰ فیصدی کی کمی ہوگی۔ اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں عورت کی شادی کی عمر بڑھانے سے شرحِ پیدائش میں کافی کمی کی جاسکتی ہے۔

چند ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کے لیے شادی کی کم سے کم عمر کو ۱۹ برس تک بڑھانے کا قانون شرحِ پیدائش کو کم نہیں کر پائے گا۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ شادی کے وقت بڑی عمر افزائشِ نسل کے عرصے کو ۴۰ برس کی عمر تک بڑھا دے گی اور اس طرح ممکن ہے کہ افزائشِ نسل کی صلاحیت کم ہونے کے بجائے بڑھ جائے۔ لیکن اس اندیشے کی حمایت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ سی چندر شیکھرن اور ایم۔ وی۔ جاج کو اس امر کا پتہ چلا کہ کلکتہ میں بلی گنج، بنیا ٹولہ اور سنگور میں مختلف عمروں میں شادی کرانے والی عورتوں کے درمیان پانچویں اور اس کے

---

[1] ڈاکٹر ایس۔ این۔ اگروال کا مقالہ "ہندوستان میں شرح پیدائش پر عورت کی شادی کی عمر بڑھانے کا اثر" جو اقوام متحدہ کی آبادی سے متعلق کانفرنس بلگریڈ ۱۹۶۵ء میں پیش کیا گیا۔ (مقالہ نمبر ڈبلیو۔ پی۔ سی/ ڈبلیو۔ پی/ ۱۰) مموگراف صفحہ ۶

[2] ہندوستان کے رجسٹرار جنرل۔ نے ۱۹۶۱ء میں مدراس کے صوبے میں افزائشِ نسل کی صلاحیت سے متعلق جو سروے کیا تھا وہ واضح طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان عورتوں کی عمر کے اعتبار سے افزائش نسل کی صلاحیت جو ۱۸ سے ۲۲ برس کی عمر کے درمیان شادی کرتی ہیں اُن عورتوں کی نسبت کم ہوتی ہے جو ۱۸ برس کی عمر سے پہلے شادی کر لیتی ہیں۔ (ہندوستان کی مردم شماری ۱۹۶۱ء جلد IX۔ مدراس حصہ F XI خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق مدراس شہر میں لوگوں کا رویہ" ۱۹۶۶ء مدراس۔ گوشوارہ ۴-۱۔ صفحہ ۵) شری اگروال نے دلی کے چھ دیہات میں یہی نتائج حاصل کیے (ایس۔ این۔ اگروال کی کتاب "شہری رنگ میں ڈھلنے والے چھ دیہات میں مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کا مطالعہ" دلی۔ معاشی ترقی کا ادارہ ۱۹۶۴ء صفحات ۱- X — ۴ IX موگراف) ڈاکٹر اگروال کو اس امر کا پتہ چلا کہ ان عورتوں کی عمر کے اعتبار سے افزائش نسل کی صلاحیت جو ۱۹ برس کے بعد شادی کراتی ہیں ان عورتوں کی نسبت ہمیشہ کم ہوتی ہے جو پہلے شادی کر لیتی ہیں۔ تریونڈرم میں مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کی تحقیق کے مرکز نے کیرل کی صوبے کے لیے افزائش نسل کی صلاحیت سے متعلق ۱۹۶۱ء کی نمونے کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا تجزیہ کیا اور اسے بھی یہی نتائج برآمد کیے۔ (تریونڈرم میں مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کی تحقیق کا مرکز "کیرل میں عورتوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت کا نمونہ" مقالہ نمبر ۳۱ موگراف گوشوارہ (۳) V صفحہ ۱۹)

بعد کے استقرارِ حمل کے ختم ہونے کے وقت اوسط عمر قریب برابر تھی۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۱ء میں نمونے کی مردم شماری کے وقت ہندوستان کے رجسٹرار جنرل نے افزائشِ نسل کی صلاحیت سے متعلق جو اعداد و شمار جمع کیے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو عورتیں ۱۹ سال کے بعد شادی کرتی ہیں ان کے ہاں ان عورتوں کی نسبت کم بچے پیدا ہوتے ہیں جو اس سے پہلے شادی کر لیتی ہیں۔ اکثر یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ کیرل میں اگرچہ عورت کی شادی کی اوسط عمر ۲۰ سال ہے لیکن اس کے ہاں جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی تعداد پنجاب کی عورتوں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد کے برابر ہے۔ جہاں شادی کی اوسط عمر ۵ء۱۷ سال ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ مسئلہ کی چھان بین کرنے کا مناسب طریقہ نہیں ہے۔ پیدائشوں کی کُل تعداد کا انحصار متعدد، سماجی، نفسیاتی اور ثقافتی حقائق پر ہوتا ہے اور یہ حقائق ہندوستان کے تمام صوبوں میں ایک جیسے نہیں ہیں۔ اگر ایک جیسے ہوتے تو تمام صوبوں میں افزائشِ نسل کی صلاحیت برابر ہوتی لہٰذا صوبوں کے درمیان موازنہ ناجائز ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمیں تو عورتوں کے ان گروہوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت کی چھان بین کرنی چاہیے جو فرداً فرداً ہر صوبے میں مختلف عمروں میں شادی کراتی ہیں۔ ایک اور ناقابلِ تردید شہادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ کیرل یا پنجاب میں جو عورتیں ۱۹ سال کی عمر کے بعد شادی کرتی ہیں ان کے ہاں ان عورتوں کی نسبت کم بچے پیدا ہوتے ہیں جو اس سے پہلے شادی کرا لیتی ہیں۔ چند لوگوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ اُنیس، بیس سال تک عورتوں کی شادی کی عمر کے التوا کا نتیجہ چونکہ پیدا ہونے والے بچوں میں صرف ایک بچے کی کمی کی صورت میں نکلتا ہے یعنی چھ بچوں کی بجائے عورتوں کے ہاں پانچ بچے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا افزائشِ نسل کی صلاحیت میں کمی تقریباً ۱۶ فیصدی ہوگی۔ اس دلیل میں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ ان عورتوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت کا نمونہ جو ۲۰ سال کی عمر سے پہلے شادی کرتی ہیں ان عورتوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت کا نمونہ جو اس سے پہلے شادی کراتی ہیں ۱۹ سال کی عمر کے بعد یکساں ہوتا ہے۔ بہرکیف مختلف معائنوں اور رجسٹرار جنرل کے معائنوں میں افزائشِ نسل کی صلاحیت کا جو اصل نمونہ حاصل کیا گیا ہے وہ اس مفروضے کے خلاف ہے۔ لہٰذا ہم اپنے اس خیال پر یقین رکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اگر شادی کے وقت عورت کی عمر ۲۰ برس یا اس سے زیادہ تک بڑھا دی جائے تو شرحِ پیدائش میں تقریباً ۳۰ فیصدی کی کمی ہوگی۔

اٹھارواں باب

آئندہ نظریہ

یہ بات اس سے پہلے کے ابواب سے بالکل واضح ہو جانی چاہیے کہ ہندوستان میں شرح اموات جو ۱۹۱۰ء میں ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے تقریباً ۴۳ سے کم ہو کر اب تقریباً ۱۸ رہ گئی ہے، اگلے ۱۰ یا ۱۵ سالوں میں مزید کم ہو جائے گی۔ اور ۸ یا ۹ کی پست سطح تک پہنچ جائے گی یعنی ترقی یافتہ ممالک کی شرح اموات کی سطح کے برابر ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک میں صحت اور علاج معالجہ کی سہولتوں کو بہتر بنایا گیا ہے۔ لہٰذا اگر شرح پیدائش کم نہیں ہوگی تو شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات میں خلیج اور بھی وسیع ہو جائے گی اور ہماری آبادی میں موجودہ شرح کی نسبت تیزی سے اضافہ ہوگا۔ یہ بات ہماری معاشی ترقی کے مسئلے کو اور بھی بدتر بنا دے گی۔

ہند سرکار نے ہندوستان کی آبادی کی روک تھام کرنے کی مناسب پالیسی اختیار کی ہے۔ پہلے تین پلانوں کی مدّت کے دوران ایک انتظامی مشینری قائم کی گئی جو شہری اور دیہی آبادی کو علاج معالجہ کی خدمت فراہم کرنے کے قابل ہے۔ اس وقت ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کے ۸۱ہزار شفا خانے ہیں اور چوتھے پلان کی مُدّت کے آخر تک ان کی تعداد ۴۸۰۰۰ تک بڑھ جائے گی۔ ایسی مشینری جو دور افتادہ دیہات تک خاندانی منصوبہ بندی کا پیغام لے جا سکے اور لوگوں کو یہ ترغیب دے سکے کہ وہ مانع حمل تدابیر اختیار کریں، ابھی قائم کی جانے والی ہے۔ اگرچہ لوگوں کو ترغیب دینے کی ضرورت کو ۶۳-۱۹۶۲ء میں محسوس کر لیا گیا تھا لیکن ضروری پروگرام پر عمل درآمد کرنے والا مناسب عملہ ملازم نہیں رکھا گیا ہے۔ یہ ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کی سُست رفتاری کا ایک سبب ہے۔

اس بات کو دھیان میں رکھنا ہوگا کہ خاندانی منصوبہ بندی کا تقاضہ یہ ہے کہ لوگوں کے رویّے اور اقدار میں تبدیلی لائی جائے تاکہ دو یا تین بچوں کا خاندان لوگوں کے لیے معیاری اصول بن سکے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے رویّے میں تبدیلی لائی جائے تو کیسے لائی جائے؟ مغربی ممالک میں یہ تبدیلی صنعتی انقلاب کے بعد اور بلند معیار زندگی کے لیے لوگوں کی بڑھتی ہوئی خواہشات کی وجہ سے رونما ہوئی تھی۔ اس وقت ایک کشمکش نے زور پکڑا جسے ایک مناسب نام دیا گیا تھا یعنی "بچہ اور چھوٹی کار" میں کشمکش کا نام دیا گیا۔ لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اگر ان کے ہاں بچے زیادہ ہوں گے تو ان کا معیارِ زندگی پست ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماج

میں عورت کے مرتبے اور بچوں کی پرورش کے بھاری اخراجات جیسے حقائق اور دیگر حقائق نے مل کر چھوٹے خاندان کے حق میں لوگوں کے رویّہ میں تبدیلی پیدا کی۔ حال ہی میں مشرقِ بعید سے متعلق تعلیمی وثقافتی ادارے والے خطہ میں واقع ممالک مثلاً کوریا، ہانگ کانگ اور تائی وان میں جہاں آبادی میں اضافہ کی شرح کبھی بلند تھی اب آبادی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ اس کمی کی بڑی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ ان تینوں ملکوں میں خواندگی کی سطح بہت بلند ہے یعنی ۸۰ فیصدی لوگ پڑھے لکھے ہیں۔

لہٰذا مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے عبور کے دو نمونے ہیں۔ یعنی ایک نمونہ مغربی ممالک کا نمونہ ہے جہاں بلند معیارِ زندگی کی وجہ سے تبدیلی لائی گئی اور دوسرا ایشیائی طریقہ ہے جہاں خواندگی کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے افزائشِ نسل کی صلاحیت کم کرنے کی تبدیلی لائی گئی ہے۔ ایک بحث طلب سوال یہ ہے کہ ہندوستان جیسے ترقی پذیر ممالک ان دونوں میں سے کون سے طریقے کی پیروی کریں گے۔ اگر ہندوستان میں مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے عبوری دور کو اس وقت ظہور پذیر ہونا ہے جبکہ ہندوستان کے عوام کا معیارِ زندگی بلند ہو جائے گا یا تمام لوگ پڑھ لکھ جائیں گے تو بہت عرصہ درکار ہوگا اور اس وقت تک ہندوستان کی آبادی شاید قابو سے باہر ہو جائے لہٰذا یہی امید کی جاتی ہے کہ ہندوستان اور ایسی ہی صورتِ حال میں مبتلا دیگر ممالک اپنی اپنی شرح پیدائش میں برق رفتاری سے کمی کرنے کا اپنا ہی کوئی طریقہ وضع کریں گے۔ چھوٹے خاندان کے حق میں عوام کے رویّوں میں برق رفتار تبدیلی شاید وسیع پیمانے پر تعلیمی اور ترغیبی پروگرام کے ذریعے لائی جائے گی۔

اس سے ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کی وہ اُمیدیں اور وہ ارمان کیا ہیں جن کو وہ ایک مزید بچے سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں؟ یہ ارمان کیا ہیں ابھی تک ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ان ارمانوں کی جستجو کرنی ہوگی۔ یہ وہ میدان ہے جہاں بھاری تحقیق کی ضرورت ہے۔ ان سوالوں کا جواب نازک حد تک ضروری بھی ہے اور فوری بھی۔ کیا معیارِ زندگی، بچوں کے لیے تعلیم کی سہولتوں اور نوجوانوں کے لیے ملازمت کے مواقع میں بہتریوں سے پہلے دیہی آبادی میں شرحِ پیدائش کو کم کیا جا سکتا ہے؟ ان کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا ہے۔ ہندوستان میں بہت سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ یہ کارنامے سرانجام دیے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک نازک سوال ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق مسائل غیر معمولی طور پر پیچیدہ ہیں۔ یہ ایک واحد مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سے مسائل کا مجموعہ ہے۔ آبادی میں اضافے کی بلند شرحیں دراصل شرح اموات میں کمی کی پیداوار ہیں اور شرحِ اموات میں کمی ایک قابلِ قبول اور پسندیدہ منزل ہے لیکن چھوٹے خاندان کے نمونے کا اپنایا

جانا معاشی، سماجی اور نفسیاتی تبدیلیوں اور ان کے ساتھ ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے عام علاقے میں سہولتوں کے فروغ سے باہمی طور پر وابستہ ہے۔ لہٰذا اس بات کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ جب تک بہت سے ضابطوں کا نظریہ جس میں ماہرینِ عمرانیات، سماجی ماہرینِ نفسیات، ماہرینِ اقتصادیات، مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین، انسانی برتاؤ کے ماہرین، صحتِ عامّہ کے کارکن اور دیگر ماہرین آبادی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اپنا تجربہ بروئے عمل لائیں اختیار نہیں کیا جائے گا تب تک زیادہ کامیابی حاصل کرنا دشوار ہو گا۔ آبادی کے پروگراموں اور پالیسیوں کے متعلقہ میدان میں کام کرنے والے مختلف سائنس دانوں کے درمیان بات چیت کو فروغ دینے کی فوری ضرورت ہے تاکہ مشترکہ تجربے میں سب کو شریک کیا جائے اور ایک مؤثر پالیسی وضع کرنے کے کام کو ممکن بنایا جائے۔ آئیے ہم یہ اُمید رکھیں کہ ہندوستان میں آئندہ اسی سمت میں ترقی کی جائے گی۔

ہندوستان کی حکومت نے مرکزی وزارتِ تعلیم میں نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کو ۱۹۵۷ء میں ایک خودمختار ادارے کی حیثیت سے اس خیال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے قایم کیا تھا کہ یہ اوّلین طور پر اچھے ادب کی تخلیق کرے گا اور اچھے ادب کی اشاعت کی حوصلا فزائی کرے گا اور اس قسم کا ادب لوگوں کے لیے مناسب قیمتوں پر فراہم کرے گا۔

• ہندوستان کی مختلف زبانوں میں منتخب موضوعات پر کتابوں کی اشاعت کا کام اپنے ذمّے لینے کے علاوہ نیشنل بک ٹرسٹ کی سرگرمیوں میں یہ کام بھی شامل ہیں: کتابوں کی نمائش منظم کرنا اور ہندوستان میں کتابوں کی تصنیف، کتابوں کے ترجمہ ان کی اشاعت اور تقسیم سے متعلق مسائل پر مذاکروں کا اہتمام کرنا تاکہ ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھنے کی جانب راغب ہوں۔

نیشنل بک ٹرسٹ نے اس وقت تک ۲۵۰ سے زیادہ کتابیں مختلف ہندوستانی زبانوں میں شایع کی ہیں۔ ٹرسٹ کے موجودہ اشاعتی پروگرام میں کتابوں کے حسب ذیل سلسلے شامل ہیں:

۱۔ **بھارت۔ سرزمین اور لوگ**: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ معمولی تعلیمی استعداد رکھنے والے لوگوں کے لیے جو فن و تکنیک سے شناسا نہیں ہوتے ہیں ملک کے تمام پہلوؤں کی واقفیت سے متعلق کتابیں مہیا کی جائیں۔

۲۔ **قومی سوانحعمری**: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ تقریباً ایک سو کتابوں کے مجموعہ میں ان نامور شخصیتوں کی سوانح عمریاں پیش کی جائیں جن کو مادرِ ہند نے وقتاً فوقتاً مختلف میدانوں میں جنم دیا۔

۳۔ **عام فہم سائنس**: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے سائنس کے فروغ اور ارتقا کا اور روزمرہ کی زندگی میں سائنس کی اہمیت کا ایک خاکہ فراہم کیا جائے۔

۴۔ **عام فہم تاریخ**: اس سلسلۂ مطبوعات کو اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ قابلِ مطالعہ کتابوں کی صورت میں نہ صرف عام لوگوں کے لیے ہندوستان کی تاریخ بلکہ دنیا کے دیگر ملکوں کی تاریخ بھی مہیا کی جائے۔

۵۔ **دنیا کی ممتاز ترین کتابیں**: اس سلسلۂ مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں عام لوگوں کے لیے ان کتابوں کے آسان تراجم فراہم کیے جائیں جنھوں نے مختلف میدانوں میں عالمی فکر و خیال میں نمایاں حصہ ادا کیا ہے۔
نیشنل بک ٹرسٹ یہ کام بھی اپنے ذمّہ لیتا ہے کہ وہ ان ممتاز ترین تخلیقات سے متعلق خاص کتابیں شایع کرتا ہے جو مطبوعہ صورت میں دستیاب نہیں ہیں اور ٹرسٹ خصوصی اہمیت کے حامل نئے مسودات بھی شایع کرتا ہے۔

نابرابری بڑھتی جارہی ہے۔ اُن خطّوں میں آبادی برق رفتاری سے بڑھ رہی ہے جہاں معاشی دشواریاں بہت زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرحِ اموات کم ہورہی ہے۔ بہت سے کم ترقی یافتہ ممالک میں شرحِ اموات اب پہلی جنگ عظیم سے پہلے کے ایام کی نسبت صرف آدھی رہ گئی ہے لیکن شرحِ پیدائش پہلے کی طرح بہت زیادہ بلند ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آبادی میں بھاری اضافہ ہوا ہے اور یہ اضافہ اس اضافے سے تجاوز کر گیا ہے جو یورپ، شمالی امریکہ اور اوشیانا میں انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے آغاز میں رونما ہوا تھا۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے یورپ میں شرح اموات میں کمی کو قوم کی معاشی ترقی اور جسمانی صحت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان ممالک میں شرحِ اموات میں کمی دولت میں اضافہ کرنے اور عوام کے حالات کو بہتر بنانے کی بدولت لائی گئی تھی۔ لوگ زیادہ دیر تک زندہ رہتے تھے کیونکہ وہ زیادہ صحت بخش خوراک کھا سکتے تھے، اچھے مکانوں میں اور صحت و صفائی کے اچھے حالات میں رہ سکتے تھے۔ بہرکیف یہ رشتہ آج کم ترقی یافتہ ممالک میں صحیح نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک میں شرح اموات مختلف اقدامات مثلاً ڈی۔ڈی۔ٹی کے چھڑکاؤ اور بی۔سی۔جی کے ٹیکے لگانے کی مہم اور جراثیم کش ادویات کے زیادہ استعمال کے باعث کم ہوئی ہے اور بڑھتی ہوئی خوشحالی کی وجہ سے کم نہیں ہوئی ہے۔

آبادی میں برق رفتاری سے اضافہ اور اس کے ساتھ ساتھ صنعتوں کی کمی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک کی آبادی زراعت پر بہت زیادہ انحصار رکھتی ہے۔ مزدوروں کا افراط سے میسّر آنا کاشتکاری کے ایسے طریقوں کے استعمال کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جن میں بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور آمدنی کم ہوتی ہے۔ بعض حالتوں میں مزدور اپنی زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مصروف نہیں رہ سکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر سال جبری طور پر سال کا بیشتر حصّہ بیکار گزارنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ آبادی کے دباؤ اور زمین کی قلّت کا بعض اوقات نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فصل زیادہ اگائی جاتی ہے اور زمین بے ثمر ہوجاتی ہے۔

بیشتر کم ترقی یافتہ ممالک میں مزروعہ زمین کے رقبہ کو ایک خاص حد تک توسیع دی جاسکتی ہے لیکن زمین سے کافی پیداوار صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے اگر دستیاب ٹیکنیکل معلومات کا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ ایسی سادہ بہتریوں سے بھی بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً کھاد ڈالنے سے،

قومی سوانح عمریاں

شائع کردہ کتابیں

گرو گوبند سنگھ	ڈاکٹر گوپال سنگھ	۲/۰۰
گرو نانک	ڈاکٹر گوپال سنگھ	۲/۲۵
کبیر (اردو)	ڈاکٹر پارس ناتھ تواری	۲/۵۰
رحیم	ڈاکٹر سمر بہادر سنگھ	۲/۰۰
مہارانا پرتاپ	شری آر۔ ایس۔ بھٹ	۱/۷۵
اہلیہ بائی (ہندی)	شری ہیرالال شرما	۱/۷۵
تیاگ راجا	پروفیسر پی۔ سمبامورتی	۲/۰۰
پنڈت بھٹ کھنڈے	ایس۔ این۔ رتن جانکر	۱/۲۵
پنڈت وشنو دگمبر (اردو)	اے۔ آر۔ اٹھاوے	۲/۲۵
شنکر دیو	ڈاکٹر مہیشور نیوگ	۲/۰۰
رانی لکشمی بائی (ہندی)	شری ورندا بن لال ورما	۱/۷۵
سبرامنیم بھارتی	مسز پریانند کمار	۲/۲۵
ہرش	شری وی۔ ڈی گنگل	۱/۷۵
سمدر گپت (ہندی)	شری للن جی گوپال	۱/۲۵
قاضی نذرالاسلام	شری باسودھا چکرورتی	۲/۰۰
شنکر آچاریہ	ٹی۔ ایم۔ پی۔ مہادیون	۲/۰۰
چندر گپت موریہ (ہندی)	شری للن جی گوپال	۱/۵۰

بھارت — سرزمین اور لوگ

شایع کردہ کتابیں

		پاپولر ایڈیشن	لائبریری ایڈیشن
پھول والے درخت	ڈاکٹر ایم ایس رندھاوا	۶/۵۰	۹/۵۰
آسام کا ادب	پروفیسر ہیم بروا	۵/۰۰	۷/۵۰
عام درخت	ڈاکٹر ایچ سانتاپاؤ	۵/۲۵	۸/۲۵
ہندوستان کے سانپ	ڈاکٹر پی۔ جے۔ دیوراس	۶/۵۰	۹/۵۰
ملک اور زمین	ڈاکٹر ایس۔ پی۔ رائے چودھری	۵/۲۵	۸/۲۵
ہندوستان کی معدنیات	مسز مہر ڈی۔ این واڈیا	۵/۲۵	۸/۳۵
گھریلو جانور	شری ہربنس سنگھ	۴/۲۵	۸/۰۰
جنگلات اور ان کی دیکھ بھال	شری کے۔ پی۔ سگریا	۵/۲۵	۸/۵۰
راجستھان کا جغرافیہ	ڈاکٹر وی۔ سی۔ مصرا	۶/۰۰	۸/۲۵
باغیچے کے پھول	ڈاکٹر وشنو سروپ	۶/۰۰	۹/۵۰
آبادی	ڈاکٹر ایس۔ این۔ اگروال	۳/۷۵	۷/۰۰
جزائر نکوبار	شری کے۔ کے ماتھر	۵/۵۰	۹/۰۰
عام پرندے	ڈاکٹر سالم علی اور مسز لئیق فتح علی		۱۵/۰۰
سبزیاں	ڈاکٹر بی۔ چودھری	۵/۲۵	۸/۲۵
ہندوستان کا اقتصادی جغرافیہ	پروفیسر وی۔ ایس۔ گناناتھن	۵/۲۵	۸/۲۵
ہندوستان کا طبعی جغرافیہ	پروفیسر سی۔ ایس۔ پچاٹھو	۵/۲۵	۸/۲۵

		پاپولر ایڈیشن	لائبریری ایڈیشن
جڑی بوٹیاں	ڈاکٹر ایس۔ کے۔ جین	۵/۷۵	۹/۰۰
مغربی بنگال کا جغرافیہ	پروفیسر ایس۔ بوس	۶/۰۰	۹/۰۰
ہندوستان کی ارضیات	ڈاکٹر اے۔ کے۔ ڈے	۵/۲۵	۸/۵۰

(جملہ کتابیں صرف انگریزی میں مل سکتی ہیں۔)

ڈاکٹر ایس۔ این۔ اگروال، ڈائرکٹر ڈیموگرافک ٹریننگ اینڈ ریسرچ سینٹر بمبئی، الٰہ آباد یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ نے ۱۹۵۰ء میں پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ سے ڈیموگرافی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ۵۷-۱۹۵۵ء کے دوران آبادی سے متعلق کونسل کے رکن تھے اور آپ نے پروفیسر [illegible] کول اور پروفیسر فرینک ڈبلیو نوٹیشن کے ساتھ مل کر کام کیا۔

آپ نے اپنی زندگی کا آغاز الٰہ آباد یونیورسٹی میں معاشیات کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے کیا (۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک)۔ ڈاکٹر اگروال ایشیا اور مشرقِ بعید کے لیے اقوامِ متحدہ کے معاشی کمیشن کے سماجی امور سے متعلق ڈویژن کے عملہ کے رکن تھے۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۶ء تک آپ ڈیموگرافک ریسرچ سینٹر انسٹیٹیوٹ آف اکنامک گروتھ دہلی کے انچارج تھے۔

ڈاکٹر اگروال کی دلچسپی کا خاص میدان افزائش نسل کی صلاحیت اور خاندانی منصوبہ بندی ہے اور آپ نے ان موضوعات پر متعدد مقالے قلمبند کیے ہیں اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ آپ نے خاندانی منصوبہ بندی کے میدان میں جو ممتاز ترین تحقیق کی تھی اس کے صلے میں ۱۹۶۰ء میں آپ کو [illegible] میموریل انعام دیا گیا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر اگروال نے ہندوستان کی آبادی سے متعلق مسائل پر [illegible]

ادل بدل کر فصل اُگانے سے، فصل کی اچھی قسم اگانے سے، پودوں اور مویشیوں کی بیماریوں کی روک تھام کرنے سے اور کیمیاوی کھاد استعمال کرنے سے۔ لیکن یہاں بھی چند دشواریاں پیش آتی ہیں، چونکہ لوگ اَن پڑھ ہیں، توہم پرست ہیں اور روایات کے پابند ہیں اور رسل و رسائل کے ذرائع ناکافی ہیں۔

زراعت پیشہ آبادی میں اضافہ کو کم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مزدوروں کو زراعت کے میدان سے نکال کر روزگار کے دیگر میدانوں میں منتقل کیا جائے۔ اس بات سے عام طور پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ بیشتر کم ترقی یافتہ ممالک کی کامیاب معاشی ترقی کے لیے معیشت کے صنعتی اور تجارتی میدانوں کو توسیع دینا ضروری ہے۔ لیکن ایسے ملک میں جو غالب طور پر زراعت پیشہ ملک ہے، جس میں آمدنی کی سطح پست ہے اور سرمایہ تھوڑا ہے وہاں کوئلہ، تیل، کچے لوہے اور توانائی کے دیگر ذخیروں اور صنعتی خام مال کے ذخیروں کے باوجود بڑے کارخانوں کو فروغ دینا مشکل ہوتا ہے۔ فی کس آمدنی کم ہو تو روپے کی بچت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ ایک شخص کی آمدنی کے بڑے حصے پر مشتمل پونجی روزمرہ کے استعمال کی اشیاء پر صرف ہو جاتی ہے۔ مشینوں کو اچھی طرح سے چلانے اور ان کو برقرار رکھنے کے لیے اور انتظامیہ کاموں کے لیے ہنرمند مزدوروں کی قلت ایک اور ایسی کوتاہی ہے جو صنعت کی توسیع میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔

کم ترقی یافتہ ملکوں کو کافی سامان مہیا کرنے کے لیے تاکہ زراعت اور صنعت میں فی مزدور کے اعتبار سے پیداوار کی سطح اطمینان بخش ہو جائے بھاری سرمایہ چاہیئے۔ مثال کے طور پر تمام ایشیا کو فی مزدور کے حساب سے دو ہزار ڈالر کی مشینیں اور اوزار فراہم کرنے کے لیے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی قومی آمدنی سے تین گنا کے برابر رقم کی ضرورت پڑے گی۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایشیا کے بیشتر حصوں میں فی مزدور اوسط پیداوار دوسری عالمی جنگ سے پہلے کے جاپان کی سطح تک پہنچانے کے لیے تقریباً ۵۴۰ ارب ڈالر کے سامان کی ضرورت ہوگی۔

اتنی بڑی پونجیاں کم ترقی یافتہ ممالک کی استعداد سے باہر ہیں چونکہ ان کی تھوڑی آمدنی کا بڑا حصہ لازمی طور پر خوراک اور روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی پر صرف ہو جاتا ہے۔ مالی پالیسیوں کی پیروی کرنے سے کم ترقی یافتہ ممالک یقینی طور پر اپنی بچت اور اپنی سرمایہ کاری کی شرح کو بڑھا سکتے ہیں، لیکن اس کا امکان محدود ہوتا ہے چونکہ آمدنی قلیل ہوتی ہے۔ غیر ملکی قرضوں کی مدد سے کچھ مطلوبہ سامان خریدا جاسکتا ہے۔ درحقیقت دولت مند ملکوں سے لیے جانے والے بڑے بڑے قرضے کم ترقی یافتہ ممالک

کی اطمینان بخش معاشی ترقی کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔بہر کیف غیر ملکی قرضے کا امکان بھی محدود ہے قرضہ دینے والا ملک قرضہ دینے سے پہلے یہ اطمینان کر لینا چاہتا ہے کہ مقروض ملک قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ نہیں۔اگر مقروض ملک قرضے کے بھاری بوجھ سے بچنا چاہتا ہے اور اپنی اچھی ساکھ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے اپنی بچتوں میں سے مناسب وقت کے اندر قرضے ادا کرنے پڑیں گے۔آگے چل کر کم ترقی یافتہ ممالک کو اپنی بچتوں میں سے ہی پونجیوں پر زیادہ بھروسہ کرنا ہوگا۔

جتنی تیزی سے آبادی بڑھتی ہے فی کس پیداوار کی مقررہ سطح کو برقرار رکھنے کے لیے مزید پونجیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ایسے ملک میں جہاں آبادی مسلسل ایک ہی رفتار سے بڑھتی ہے وہاں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ اس ساز و سامان کو بدل دیا جائے جو فرسودہ ہو چکا ہوتا ہے تاکہ ہر نسل کو پہلی نسل کی طرح فی مزدور اوسطاً اتنا ہی سامان فراہم کیا جا سکے۔بہر کیف اگر آبادی بڑھ رہی ہے تو فی مزدور اتنے ہی سامان کو برقرار رکھنے کے لیے مزید پونجی کی ضرورت پڑے گی۔آبادی میں اضافے کے اثر کو زائل کرنے کے لیے جس پونجی کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بڑھتی ہوئی آبادی کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اسی معیار زندگی کے مطابق زندہ رہے جس پر اُس سے پہلے کی نسل زندہ رہ رہی تھی "شرح پیدائش و اموات کے اعداد و شمار" والی پونجی کہا جاتا ہے۔لیکن اگر ساز و سامان کی بہتری کا ایسا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ فی مزدور زیادہ اوسط پیداوار ممکن ہو سکے اور معیار زندگی زیادہ بلند ہو سکے تو "شرح پیدائش و اموات کے اعداد و شمار کے مطابق پونجی" سے کہیں زیادہ پونجی کی ضرورت ہو گی۔اس پونجی کو "معاشی پونجی" کہا جا سکتا ہے۔اپنی تعریف کے اعتبار سے معاشی پونجی ایک کم ترقی یافتہ ملک میں اگر اس کی آبادی میں اضافہ کی شرح زیادہ ہے بہت تھوڑی ہوگی

یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک کم ترقی یافتہ ملک کو جس کی آبادی ایک فیصدی سالانہ بڑھ رہی ہے اپنی قومی آمدنی میں سے ۲ سے ۵ فیصدی تک سرمایہ لگانا چاہیے تاکہ فی مزدور سامان کی اوسط مقدار کو مسلسل برقرار رکھا جا سکے۔لیکن اگر آبادی ہر سال ½۲ فیصدی کے حساب سے بڑھ رہی ہے تو قومی آمدنی میں سے ½۷ سے ½۱۲ فیصدی تک سرمایہ لگانا ہوگا۔ایک غریب ملک کے لیے آمدنی کا اتنا بڑا حصہ بچانا آسان نہیں ہوتا۔

لہٰذا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ آبادی میں اضافہ کم ترقی یافتہ ممالک میں تین مختلف طریقوں سے معاشی ترقی پر اثر ڈالتا ہے: سب سے پہلے زیادہ شرح پیدائش فی بالغ مزدور کے حساب سے دست نگر

بچوں کا بھاری بوجھ تخلیق کرتی ہے۔ یہ بات سرمایہ کاری کے لیے کافی پونجی کی بچت کرنا دشوار بنا دیتی ہے۔ یہ بات بچّوں کے لیے تعلیم کی سہولت مہیا کرنا بھی مشکل بنا دیتی ہے جو ملک کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے شرح اموات میں کمی اور زیادہ شرح پیدائش آبادی میں تیزی سے اضافہ کرتی ہے۔ شرح پیدائش و اموات کے مطابق بڑی بڑی پونجیاں لگانی ہوں گی تاکہ تعداد میں بڑھتے ہوئے مزدوروں کو فی کس ویسے ہی سامان سے لیس کیا جا سکے جس سے ماضی میں ان کو لیس کیا گیا تھا۔ تیسرے صنعتوں کی کمی کے باعث آبادی کا زیادہ تر انحصار زراعت پر ہوتا ہے۔ بہت سے کم ترقی یافتہ ملک شدید قسم کی زرعی کثرتِ آبادی کے باعث مصیبت میں مبتلا ہیں اور ان کو فائدہ صرف اس صورت میں ہوگا اگر وہ زراعت میں مصروف آبادی کو صنعتوں میں منتقل کر دیں گے۔ لیکن آبادی میں تیزی سے اضافہ کے باعث نہ تو زراعت میں ضروری بہتریاں عمل میں لائی جا سکتی ہیں اور نہ ہی صنعتوں کو آسانی سے فروغ دیا جا سکتا ہے۔

یہ توقع رکھنے کے چند اسباب موجود ہیں کہ اگر وہ اقوام جن کی معاشی ترقی رُکی پڑی ہے، اپنے آپ کو صنعت بند کریں اور اپنے معیارِ زندگی کو بلند کریں تو مستقبل میں شرحِ پیدائش کم ہو سکتی ہے۔ یہ توقع معاشی طور سے ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ پر مبنی ہے جو شرحِ مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار والے چکر کے عبوری دور سے گزر چکے ہیں۔ بہر کیف مختلف ثقافتوں میں صنعت بندی اور بڑھتی ہوئی دولت کے نتائج شرحِ پیدائش پر شاید یکساں اثر نہ ڈال سکیں۔ شرحِ پیدائش میں کمی اس وقت ہوتی ہے جب روایتی اصول اور اقدار تبدیل ہوتی ہیں اور جب لوگ جان بوجھ کر یہ منصوبہ بناتے ہیں کہ ان کا خاندان چھوٹا ہونا چاہیے۔ ملک کو جدید تر بنانے اور آبادی کو شہروں میں منتقل کرنے کے ذریعے قدر میں یہ تبدیلی بروئے عمل لائی جا سکتی ہے۔ یہ دونوں باتیں صنعت بندی کی پیداوار ہوتی ہیں یا پھر قدر میں تبدیلی ایک باشعور اور بنیادی تعلیمی پروگرام کے ذریعہ عمل میں لائی جا سکتی ہے جس کا مقصد لوگوں کے روایتی اصولوں اور اقدار کو تبدیل کرنا ہو۔ کم ترقی یافتہ ملکوں میں چند سرکاریں موخر الذکر راستہ پر چل رہی ہیں اور انھوں نے خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق وسیع پیمانہ پر تعلیمی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ یہ بات آئندہ شرحِ پیدائش پر اہم اثر ڈال سکتی ہے۔

اس سلسلۂ مطبوعات کے لیے اعزازی مدیروں کا بورڈ

مُدیرانِ اعلیٰ

ڈاکٹر بی۔ وی۔ کیسکر

پروفیسر ایم۔ ایس تھیکر

زراعت اور نباتات

ڈاکٹر ایچ سنتاپاؤ، سابق ڈائریکٹر بوٹینکل سروے آف انڈیا کلکتہ

ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ رندھاوا، چیف کمشنر چنڈی گڑھ

ڈاکٹر بی۔ پی۔ پال، ڈائریکٹر جنرل، انڈین کونسل فار ایگریکلچرل ریسرچ وایڈیشنل سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا منسٹری آف فوڈ اینڈ ایگریکلچر۔ نئی دہلی۔

کلچر

ڈاکٹر موتی چندرا، پرنس آف ویلز میوزیم آف ویسٹرن انڈیا۔ بمبئی۔

شری اے۔ گھوش، ڈائریکٹر جنرل آف آرکیولوجی ان انڈیا نئی دہلی۔

شری اُماشنکر جوشی۔ وائس چانسلر گجرات یونیورسٹی۔ احمد آباد۔

جغرافیہ

ڈاکٹر ایس۔ پی۔ چٹرجی، ڈائریکٹر نیشنل اٹلس آرگنائزیشن۔ کلکتہ

ڈاکٹر جارج کُرین، سابق پروفیسر جغرافیہ، مدراس یونیورسٹی۔

ارضیات

ڈاکٹر ڈی۔ این واڈیا، نیشنل پروفیسر آف جیولوجی۔ نئی دہلی۔

ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ کرشنن۔ مدراس

موسمیات

شری ایس۔ باسو۔ ریٹائرڈ ڈائریکٹر جنرل آف آبزرویٹریز نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائنسز آف انڈیا نئی دہلی۔

عمرانیات اور سماجی علوم

پروفیسر نرمل کمار بوس، کمشنر فار شیڈول کاسٹس اینڈ ٹرائبس نئی دہلی۔

پروفیسر وی۔ کے۔ این مینن۔ ٹریونیڈرم

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کترے، ڈائریکٹر ڈکن کالج پوسٹ گریجویٹ اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ پونا ۶

حیوانیات

ڈاکٹر ایم۔ این۔ رونوال، وائس چانسلر یونیورسٹی آف جودھ پور

ڈاکٹر سالم علی، وائس چیرمین بمبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی۔ بمبئی۔

پروفیسر بی۔ آر۔ سیشاچار، ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف زوآلوجی۔ یونیورسٹی آف دہلی۔

تیسرا باب

ہندوستان میں آبادی میں اضافہ کی رفتار

ہندوستان چین کے بعد جس کی آبادی لگ بھگ ۶۵ کروڑ ہے دنیا میں آبادی کے اعتبار سے دوسرا بڑا ملک ہے۔ ان دونوں ملکوں کی آبادی کل ملاکر ایک ارب دس لاکھ ہے۔ یا دنیا کی ۳ ارب ۳۰ لاکھ کی کل آبادی کے ایک تہائی حصے کے برابر ہے۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے وقت ہندوستان کی آبادی ۴۳ کروڑ ۹۰ لاکھ تھی۔ آج (دسمبر ۱۹۶۶ء) آبادی کا اندازہ پچاس کروڑ ہے۔ یہ آبادی افریقہ کی آبادی سے تقریباً دگنی ہے اور امریکہ کے تمام براعظم کی آبادی سے زیادہ ہے۔

آزادی کے بعد ہندوستان کی آبادی میں تقریباً ۱۶ کروڑ افراد کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ اعداد وشمار پاکستان برما، لنکا اور نیپال کی مشترکہ آبادی کے برابر ہیں۔ ۵۱-۱۹۶۱ء کی دہائی کے دوران ہندوستان کی آبادی میں ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ افراد کا اضافہ ہوا۔ ملک کی تقسیم کے وقت پاکستان کی آبادی تقریباً اتنی ہی تھی۔ ہر سال ایک کروڑ دس لاکھ اشخاص کا آبادی میں اضافہ ہو جاتا ہے یا اعداد وشمار کے اعتبار سے آبادی ایک نئے لنکا دیس کی آبادی کے برابر بڑھ جاتی ہے۔

ہندوستان میں شرحِ مرگ و پیدائش کی صورتِ حال

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے وقت ہندوستان کی آبادی ۴۳ کروڑ ۹۰ لاکھ تھی۔ ۱۹۵۱ء میں ۳۶ کروڑ ۱۱ لاکھ تھی۔ ۶۱-۱۹۵۱ء کی دہائی میں آبادی میں ۲۱٫۶ فیصدی کا لامثال اضافہ ہوا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۲۱-۱۹۰۱ء کے درمیان آبادی میں اضافہ کی شرح صرف ۵٫۴ فیصدی تھی۔ لیکن اگلے بیس سالوں میں یعنی ۴۱-۱۹۲۱ء کے دوران آبادی میں اضافہ کی شرح ۲۶٫۰ فیصدی تھی یعنی ۵ گنا زیادہ تھی۔ اور اس کے بعد کے بیس سالوں یعنی ۶۱-۱۹۴۱ء کے درمیان آبادی میں اضافہ کی شرح ۲۸٫۷ فیصدی تھی۔ لہذا اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری آبادی ۱۹۲۱ء کے بعد سے (گوشوارہ نمبر ۱)

برق رفتاری کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

۱۹۲۱ء کا سال بڑی تقسیم کے نام سے مشہور ہے کیوں کہ اس سے پہلے ہندوستان کی آبادی بڑی سُست رفتاری سے بڑھتی تھی لیکن اس مدت کے بعد اس میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ آبادی میں اضافہ کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شرح اموات میں کمی واقع ہوئی اس کی وجہ شرحِ پیدائش میں اضافہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ۱۸۹۱ء کے سال میں شرحِ پیدائش ایک ہزار کے پیچھے ۴۹ تھی اور شرح اموات ۴۰ تھی اور ۱۹۶۱ء میں شرح پیدائش ایک ہزار کے پیچھے ۴۲ تھی اور شرحِ اموات صرف ۲۲ تھی۔ (گوشوارہ ۲) وبائی امراض.....

گوشوارہ نمبر ۱

ہندوستان کی آبادی اور اس میں اضافہ کی شرح ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

سال	آبادی (دس لاکھ میں)	دہائی	دہائی میں آبادی میں اضافہ کی شرح
۱۹۰۱ء	۲۳۸،۴	۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء	۵،۷۵
۱۹۱۱ء	۲۵۲،۱	۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۱ء	۰،۳۲
۱۹۲۱ء	۲۵۱،۳	۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء	۱۱،۰۲
۱۹۳۱ء	۲۷۹،۰	۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء	۱۳،۵۱
۱۹۴۱ء	۳۱۶،۷	۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء	۱۴،۰۲
۱۹۵۱ء	۳۶۱،۱	۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء	۲۱،۶۴
۱۹۶۱ء	۴۳۹،۲		

گوشوارہ نمبر ۲

شرح پیدائش واموات اور پیدائش کے وقت زندگی کی امید (طوالت) ۱۸۸۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

سال	شرح پیدائش	شرح اموات	پیدائش کے وقت زندگی کی امید (سالوں میں)	
			مرد	عورت
۱	۲	۳	۴	۵
۱۸۸۱ء	۵۰،۵ (بمبئی)	۴۲،۶۵ (بمبئی)	۲۳،۷	۲۵،۶

۱	۲	۳	۴	۵
۱۸۹۱ء	۴۸٫۸	۳۹٫۶	۲۴٫۶	۲۵٫۵
۱۹۱۱ء	۵۱٫۳	۴۳٫۰	۲۲٫۶	۲۳٫۳
۱۹۲۱ء	۴۹٫۲	۴۸٫۶	۱۹٫۴	۲۰٫۹
۱۹۳۱ء	۴۶٫۴	۳۶٫۳	۲۶٫۹	۲۶٫۶
۱۹۴۱ء	۴۵٫۲	۳۱٫۲	۳۲٫۰	۳۱٫۴
۱۹۵۱ء	۳۹٫۹	۲۷٫۴	۳۲٫۵	۳۱٫۷
۱۹۶۱ء[۱]	۴۱٫۷	۲۲٫۸	۴۱٫۹	۴۰٫۶

مثلاً ملیریا کی روک تھام نے (اس سے پہلے ملیریا کے باعث ہر سال ۲۰ لاکھ اشخاص لقمۂ اجل ہو جاتے تھے) پینے کے پانی کی بہتر سہولتوں نے، پانی کے نکاس کے بہتر انتظام نے، ڈی، ڈی، ٹی کے زیادہ چھڑکاؤ نے اور جراثیم کش ادویات کے استعمال نے شرح اموات کو کم کیا۔

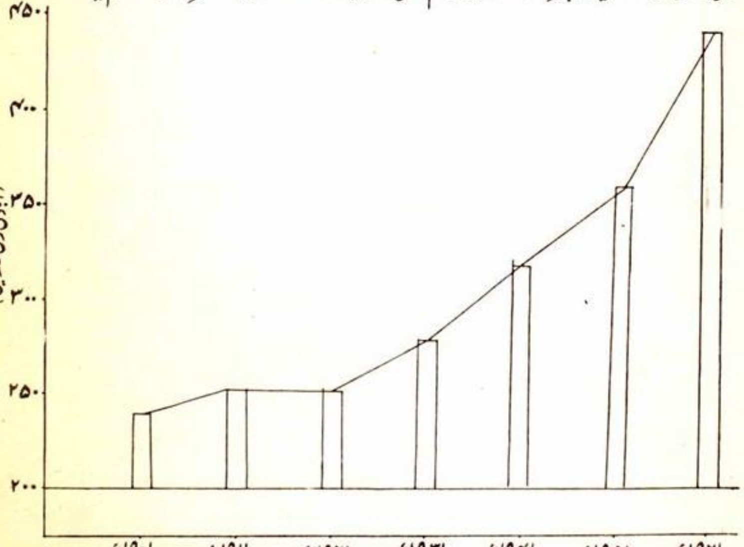

خاکہ نمبر ۱۔ مختلف سالوں میں ہندوستان کی آبادی

[۱] یہ اعداد و شمار ۶۱-۱۹۵۱ء کی دہائی کے لیے ہیں۔

شرح اموات میں کمی کے نتیجے کے طور پر پیدائش کے وقت زندگی کی امید بڑھ گئی ہے ۱۸۹۱ء میں جب کہ یہ ۲۵ سال تھی ۱۹۶۱ء میں ۴۱ سال ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مواقع موجود ہیں کہ نیا نیا پیدا ہونے والا بچہ ۴۱ سال کی عمر تک زندہ رہے گا لیکن جس بچے کی عمر دس برس کی ہے اس کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ ۴۵ برس تک زندہ رہے گا۔ ایسا اس لیے ہے کہ ہندوستان میں شیر خوار بچوں اور بچیوں کی شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ دس برس تک زندہ رہتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ ۴۵ سال تک زندہ رہے۔

گوشوارہ نمبر ۳ میں مردم شماری والے گذشتہ تین سالوں کے لیے ہندوستان کے مختلف صوبوں کی آبادی اور مردم شماری کے سالوں کے درمیانی عرصوں کے دوران آبادی میں اضافہ دکھایا گیا ہے۔ اس گوشوارہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کے مختلف صوبوں میں آبادی میں اضافہ کی شرح بہت زیادہ مختلف ہے۔ جموں اور کشمیر کے سوا ہندوستان کے باقی ۱۴ صوبوں میں اس صدی کے ۶۰ سالوں میں آبادی آسام کی زیادہ سے زیادہ ۲۲۰ فیصدی آبادی سے لے کر اُتر پردیش (یو۔پی۔) کی کم سے کم ۷۰ء۱۵ فیصدی آبادی تک بدلتی رہی ہے اور ملک کی آبادی میں اضافہ کی شرح ۸۵ء۹ فیصدی تک رہی ہے جن صوبوں میں آبادی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوا ہے ان کے نام یہ ہیں: آسام، کیرل اور گجرات۔ جن صوبوں میں آبادی میں کم سے کم اضافہ ہوا ہے ان کے نام یہ ہیں: اتر پردیش، پنجاب، بہار اور اڑیسہ۔

گوشوارہ نمبر ۳

مختلف دہائی سالوں میں مختلف صوبوں کی آبادی اور آبادی میں اضافہ کی شرح

صوبہ	آبادی (ہزاروں میں)			آبادی میں اضافہ کی شرح (فی سو)			
	۱۹۴۱ء	۱۹۵۱ء	۱۹۶۱ء	۱۹۴۱-۵۱ء	۱۹۵۱-۶۱ء	۱۹۲۱-۶۱ء	۱۹۰۱-۶۱ء
آندھرا پردیش	۲۷۲۸۹	۳۱۱۱۵	۳۵۹۸۳	۱۴٫۰۲	۱۵٫۶۵	۶۷٫۹۹	۸۸٫۷
آسام	۷۴۰۲	۸۸۳۱	۱۱۸۷۳	۱۹٫۲۸	۳۴٫۴۵	۱۳۰٫۱۹	۲۱۹٫۸
بہار	۳۵۱۷۲	۳۸۷۸۴	۴۶۴۵۶	۱۰٫۲۷	۱۹٫۷۸	۶۵٫۱۶	۷۰٫۱
گجرات	۱۳۷۰۲	۱۶۲۶۲	۲۰۶۳۳	۱۸٫۶۹	۲۶٫۸۸	۱۰۲٫۷۸	۱۲۶٫۹
جموں اور کشمیر	۴۹۴۷	۳۲۵۴	۳۵۶۱	۱۰٫۴۲	۹٫۴۴	۴۶٫۸۸	—

کیرل	۱۱۰۲۲	۱۳۵۴۹	۱۶۹۰۴	۲۲٫۸۲	۲۴٫۷۶	۱۱۶٫۶۶	۱۶۴٫۰۳
مدھیہ پردیش	۲۲۹۹۱	۲۶۰۷۲	۳۲۳۷۲	۸٫۷۶	۲۴٫۱۷	۶۸٫۸۵	۹۲٫۶۰
مدراس	۲۶۲۶۸	۳۰۱۱۹	۳۳۶۸۷	۱۴٫۶۶	۱۱٫۸۵	۵۵٫۷۵	۷۵٫۰۰
مہاراشٹر	۲۶۸۳۳	۳۲۰۰۳	۳۹۵۵۴	۱۹٫۲۷	۲۳٫۶۰	۸۹٫۷۱	۱۰۴٫۰۰
میسور	۱۶۲۵۵	۱۹۴۰۲	۲۳۵۸۷	۱۹٫۳۶	۲۱٫۵۷	۷۶٫۳۲	۸۰٫۰۷
اُڑیسہ	۱۲۷۶۸	۱۴۶۴۶	۱۷۵۴۹	۶٫۳۸	۱۹٫۸۲	۷۷٫۲۷	۷۰٫۳
پنجاب	۱۶۱۰۱	۱۶۱۳۵	۲۰۳۰۷	۰٫۲۱	۲۵٫۸۶	۶۲٫۹۱	۵۳٫۱
راجستھان	۱۳۸۶۴	۱۵۹۷۱	۲۰۱۵۶	۱۵٫۲۰	۲۶٫۲۰	۹۵٫۸۳	۹۵٫۸
اُتر پردیش	۵۶۵۳۴	۶۳۲۱۶	۷۳۷۴۶	۱۱٫۸۰	۱۶٫۶۶	۵۸٫۰۲	۵۱٫۷
مغربی بنگال	۲۲۲۳۲	۲۶۳۰۲	۳۴۹۲۶	۱۳٫۲۲	۳۲٫۷۹	۹۹٫۸۵	۱۰۶٫۲
ہندوستان	۲۱۸۷۰۱	۳۶۱۱۳۰	۴۳۹۲۳۵	۱۳٫۲۱	۲۱٫۵۰	۷۴٫۷۵	۸۵٫۸۹

عمر کا ڈھانچہ

ہندوستان میں عمر کا ڈھانچہ کچھ اس قسم کا ہے جو کم ترقی یافتہ ممالک کی خصوصیت ہے۔ اس کی بنیاد بڑی چوڑی ہے لیکن اس کی چھت مخروطی ہے۔ اس قسم کے ڈھانچے کو اہرام نما ڈھانچہ کہا جاتا ہے۔ بیشتر کم ترقی یافتہ ممالک میں تقریباً ۴۰ فیصدی آبادی کی عمر پندرہ برس سے کم ہے اور پندرہ برس سے ۵۵ برس کی عمر کے لوگوں کی تعداد ۵۵ فیصدی ہے اور ۵۵ برس سے اوپر کی عمر کے لوگوں کی تعداد ۵ فیصدی ہے۔ ذیل میں جو گوشوارہ درج کیا جا رہا ہے اس میں عمر، مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے ہندوستان کی آبادی کی فیصد تقسیم پیش کی گئی ہے۔ اس گوشوارہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہماری آبادی کے ۴۱ فیصدی حصے کی عمر ۱۵ برس سے کم ہے اور ۵۵ برس سے اوپر کی عمر والے لوگ تقریباً ۸ فیصدی ہیں۔

گوشوارہ نمبر ۴

عمر اور جنس کے اعتبار سے آبادی کی فیصد تقسیم ۔ ۱۹۶۱ء

عمر کا گروپ	مردم شماری کے اعداد و شمار	
	مرد	عورتیں
۰ ۔ ۴	۱۴٫۷	۱۵٫۵

۵ - ۹	۱۴٫۰۶	۱۴٫۰۹
۱۰ - ۱۴	۱۱٫۶۶	۱۰٫۶۸
۱۵ - ۱۹	۸٫۶۲	۸٫۰۱
۲۰ - ۲۴	۸٫۶۱	۹٫۶۰
۲۵ - ۲۹	۸٫۰۲	۸٫۰۵
۳۰ - ۳۴	۷٫۰۱	۷٫۰۰
۳۵ - ۳۹	۶٫۰۰	۵٫۲۶
۴۰ - ۴۴	۵٫۶۴	۵٫۰۱
۴۵ - ۴۹	۴٫۶۳	۳٫۶۹
۵۰ - ۵۴	۴٫۶۰	۳٫۲۷
۵۵ - ۵۹	۲٫۶۳	۲٫۶۱
۶۰ - ۶۴	۲٫۰۵	۲٫۲۶
۶۵ - ۶۹	۱٫۰۱	۱٫۰۱
۷۰ +	۱٫۶۹	۲٫۶۱
تمام عمریں	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰

شادی کے وقت عمر

ہندوستان میں عورت کی شادی کی عمر دنیا بھر میں بہت کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھاری تعداد میں شادیاں بچپن ہی میں ہو جاتی ہیں ۱۹۲۹ء میں بچپن کی شادی کی روک تھام سے متعلق ایکٹ سے پہلے ۴۵ سے ۵۰ فیصدی کے درمیان لڑکیوں کی شادی ۱۵ برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی ہو جاتی تھی۔ ۱۹۶۱ء میں ایسی لڑکیوں کا تناسب تقریباً ۲۰ رہ گیا۔ اس کے باوجود ابھی تک دس میں سے دو لڑکیوں کی شادی ہندوستان میں قانون کے ذریعہ شادی کے لیے مقرر کی گئی کم سے کم عمر سے بھی کم عمر میں ہو جاتی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں ہندوستان میں عورت کی شادی کی اوسط عمر ۱۶ سال تھی

اور مردوں کی شادی کی عمر ۲۱ سال تھی۔ بہر کیف بہار، اڑلیسہ، مدھیہ پردیش، راجستھان اور اُتر پردیش میں لڑکیوں کی شادی کی اوسط عمر ۱۵ برس سے کم ہے۔

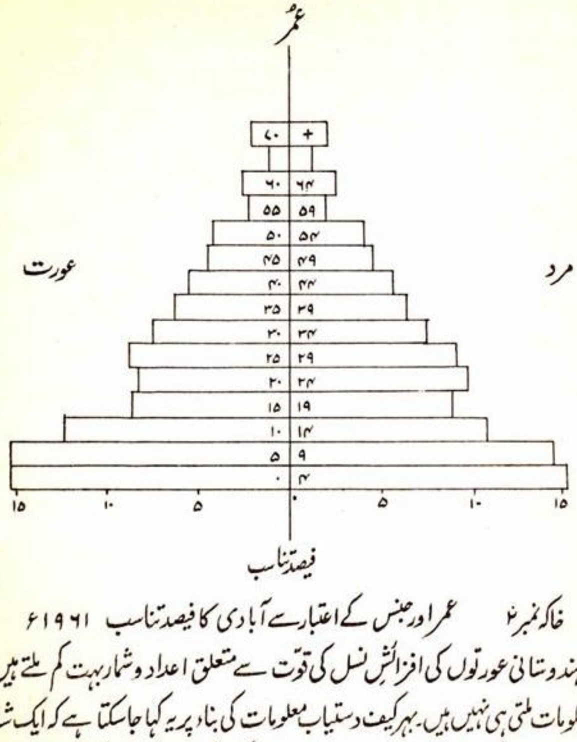

خاکہ نمبر ۲ عمر اور جنس کے اعتبار سے آبادی کا فیصد تناسب ۱۹۶۱ء

ہندوستانی عورتوں کی افزائش نسل کی قوت سے متعلق اعداد و شمار بہت کم ملتے ہیں اور کل ہند پیمانہ پر تو معلومات ملتی ہی نہیں ہیں۔ بہر کیف دستیاب معلومات کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک شادی شدہ ہندوستانی عورت، بچوں کو جنم دینا بند کرنے سے پہلے اوسطاً لگ بھگ ۶.۲۶ بچوں کو جنم دیتی ہے۔ اعداد و شمار یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ افزائش نسل کی قوت کے سلسلے میں دیہات اور شہروں میں فرق نمایاں نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شہروں میں آبادی کو منتقل کرنے اور زندگی کو جدید رنگ میں ڈھالنے کے حقائق افزائش نسل کی قوت کو کم کرتے ہیں۔ یہ حقائق ہندوستان میں ابھی موثر ثابت نہیں ہوئے ہیں۔ ذیل میں جو گوشوارہ درج کیا جارہا ہے وہ ان عورتوں کے یہاں جن کی شادی کا رشتہ ٹوٹا نہیں ہے زندہ پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط تعداد کو ظاہر کرتا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۵

بچّوں کو جنم دینے والی مدّت کے دوران ایسی فی عورت کے ہاں زندہ پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط تعداد جس کی شادی کا رشتہ ٹوٹتا نہیں ہے

	بچوں کی اوسط تعداد	
	گاؤں	شہر
ٹراونکور۔کوچین (۱۹۵۱ء کی مردم شماری)	۶٫۲۶	۶٫۲۴
مشرقی مدھیہ پردیش (۱۹۵۱ء کی مردم شماری)	۶٫۶۱	۶٫۲۳
مغربی بنگال (۱۹۵۱ء کی مردم شماری)	۶٫۶۰	—
رجسٹریشن کے اعداد و شمار (۱۹۶۱ء)		۶٫۶۶
سولھواں راونڈ این۔ایس۔ایس (۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۱ء)	۶٫۲۵	—

شہروں اور دیہات کی آبادی

حسب ذیل گوشوارے میں شہروں اور دیہات کی آبادی کا فیصد تناسب اور دہ سالہ مدت کے دوران آبادی میں اضافہ کی شرح پیش کی جا رہی ہے۔اس گوشوارے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سو اشخاص میں سے ۸۲ اشخاص دیہات میں رہتے ہیں اور ۱۸ اشخاص شہری علاقوں میں رہتے ہیں۔اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کل آبادی میں شہری آبادی کا تناسب چھ دہائی سالوں میں آہستہ آہستہ بڑھا ہے۔آبادی میں اضافہ ۱۹۰۱ء میں ۱۱ فیصدی سے ۱۹۶۱ء میں ۱۸ فیصدی تک رہا۔

گوشوارہ نمبر ۶

دیہات اور شہروں کی آبادیوں کے فیصد تناسب اور ان میں اضافہ کی شرح ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

سال	آبادی کا فیصد تناسب		دہائی	ایک دہائی سال میں آبادی میں اضافہ کی شرح	
	دیہات	شہر		دیہات	شہر
۱۹۰۱ء	۸۹٫۰	۱۱٫۰	۱۹۰۱ء-۱۱	۶٫۴	۰٫۳
۱۹۱۱ء	۹۰٫۰	۱۰٫۰	۱۹۱۱ء-۲۱	۱٫۳	۸٫۳

۱۹۲۱ء	۸۹٫۰	۱۱٫۰	۱۹۲۱-۳۱ء	۹٫۹	۱۹٫۱
۱۹۳۱ء	۸۸٫۰	۱۲٫۰	۱۹۳۱-۴۱ء	۱۱٫۸	۳۱٫۹
۱۹۴۱ء	۸۶٫۰	۱۴٫۰	۱۹۴۱-۵۱ء	۸٫۸	۴۱٫۴
۱۹۵۱ء	۸۳٫۰	۱۶٫۰	۱۹۵۱-۶۱ء	۲۰٫۶	۲۶٫۴
۱۹۶۱ء	۸۲٫۰	۱۸٫۰			

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہندوستان کی ۴۴ فیصدی شہری آبادی ۱۰۷ شہروں میں رہتی ہے۔ جن میں سے ہر شہر میں ایک لاکھ سے زائد لوگ رہتے ہیں۔ ان میں سے ۱۷ فیصدی لوگ سات شہروں میں رہتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی آبادی دس لاکھ سے بھی زائد ہے۔ مزید ۱۳ فیصدی شہری آبادی ایسے قصبوں میں رہتی ہے جن کی آبادی ۵۰ ہزار سے لےکر ایک لاکھ تک ہے۔ ۲۰ فیصدی لوگ ایسے قصبوں میں رہتے ہیں جن کی آبادی ۲۰ ہزار سے لےکر ۵۰ ہزار کے درمیان ہے اور ۱۴ فیصدی لوگ ایسے قصبوں میں رہتے ہیں جن کی آبادی دس ہزار سے لےکر ۲۰ ہزار تک ہے۔ صرف ۹ فیصدی لوگ ۱۰ ہزار سے کم آبادی والے قصبوں میں رہتے ہیں۔

خواندگی

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۵ سے ۱۴ برس کی عمر کے گروپ کی آبادی میں تقریباً ۲۸ فیصدی افراد خواندہ تھے یعنی اس مفہوم کے اعتبار سے کہ وہ سمجھ بوجھ کے ساتھ پڑھ اور لکھ سکتے تھے۔ ۱۵ برس اور اس سے اوپر کی عمر کے گروپ کی آبادی میں پڑھے لکھے لوگوں کا فیصد تناسب ۲۸ تھا۔ ۱۹۵۱ء میں یہی فیصد تناسب ۱۹٫۲ تھا۔ گوشوارہ نمبر ۷ میں ۵ برس اور اس سے اوپر کی عمر کے گروپ کی آبادی کے لیے خواندگی کا فیصد تناسب پیش کیا جا رہا ہے۔

دیہی علاقوں میں خواندگی بہت ہی کم ہے اور عورتوں میں تو اور بھی زیادہ کم ہے۔ زمرہ نمبر ۳ ایک مسلّمہ تعلیمی معیار تک پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہے۔ دیہات کے صرف ۱۰٫۷ فیصدی مرد اور ۲٫۶ فیصدی عورتیں اس زمرہ کے تحت آتی ہیں

گوشوارہ نمبر۷

۵ برس اور اس سے اوپر کی عمر کے اشخاص کی خواندگی اور معیارِ تعلیم کا فیصد تناسب ۱۹۶۱ء

	فیصد تناسب					
	دیہات			شہر		
	کل میزان	مرد	عورت	کل میزان	مرد	عورت
۱۔ ان پڑھ	۷۷٫۶	۶۵٫۸	۸۹٫۹	۴۵٫۶	۳۴٫۰	۵۹٫۵
۲۔ تعلیمی معیار کے بغیر خواندہ لوگ	۱۵٫۷	۲۳٫۵	۷٫۵	۲۷٫۳	۳۱٫۲	۲۲٫۵
۳۔ تعلیمی معیار رکھنے والے خواندہ لوگ	۶٫۷	۱۰٫۷	۲٫۶	۲۷٫۱	۳۴٫۸	۱۸٫۰
(ا) پرائمری یا جونیر بیسک	۵٫۹	۹٫۲	۲٫۵	۱۸٫۸	۲۲٫۳	۱۴٫۵
(ب) میٹریکولیشن اور اس سے اوپر	۰٫۸	۱٫۵	۰٫۱	۸٫۳	۱۲٫۵	۳٫۵
کل میزان	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰

اگر اُن اشخاص کو لیا جائے جن کی تعلیمی قابلیت میٹریکولیشن اور اس سے اوپر ہے تو دیہات کے صرف ۱٫۵ فیصدی مرد اور دیہات کی صرف ۰٫۱ فیصدی عورتیں اس زمرے کے تحت آتی ہیں۔ بہرکیف شہری علاقوں میں فیصدی تناسب زیادہ بلند ہیں یعنی بالترتیب ۱۲٫۵ اور ۳٫۵ ہیں۔ تاہم کل ہندپیمانہ پر ایسی عورتوں کا فیصد تناسب جن کی تعلیم میٹریکولیشن تک یا اس سے اوپر ہے صرف ۰٫۷ ہے۔ یہ بات ہندوستانی عورتوں کے پست تعلیمی معیار کو ظاہر کرتی ہے۔

کارکنوں کی آبادی

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں ۱۸ کروڑ ۹۰ لاکھ کارکن تھے۔ ان میں ۱۲ کروڑ ۹۰ لاکھ مرد تھے اور ۶ کروڑ عورتیں تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کل آبادی میں ۴۳ فیصدی (۵۷ فیصدی مرد اور ۲۸ فیصدی عورتیں) لوگ کام کر رہے تھے۔ مَردوں اور عورتوں کے اعتبار سے دیہی علاقوں میں کام کرنے والے لوگ شہری علاقوں کی نسبت زیادہ تھے۔ عورتوں کے سلسلے میں یہ فرق بہت زیادہ ہے جو شہروں میں کام میں بہت کم شرکت کرتی ہیں۔ حسب ذیل گوشوارہ مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے شہروں میں کارکنوں کی تقسیم پیش کرتا ہے۔

بھارت ــــ سرزمین اور لوگ

آبادی

ڈاکٹر ایس این۔ اگروال

مترجم: مخمور جالندھری

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

گوشوارہ نمبر ۸

دیہات اور شہروں، مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے کل آبادی میں کارکنوں کی تعداد اوران کا فیصد تناسب

	کارکنوں کی تعداد (دس لاکھ میں)			کل آبادی میں کارکنوں کا فیصد تناسب		
	کل میزان	دیہات	شہر	کل میزان	دیہات	شہر
اشخاص	۱۸۸٫۶	۱۶۲٫۲	۲۶٫۴	۴۳٫۰	۴۵٫۱	۳۳٫۵
مرد	۱۲۹٫۱	۱۰۶٫۷	۲۲٫۴	۵۷٫۱	۵۸٫۲	۵۲٫۴
عورتیں	۵۹٫۵	۵۵٫۵	۴٫۰	۲۸٫۰	۳۱٫۴	۱۱٫۱

معاشی سرگرمی

برسرِ روزگار مردوں کی آبادی کی سرگرمیوں کا نمونہ کافی حد تک گزشتہ ۶۰ سال سے زائد عرصے میں یکساں رہا ہے اور اسے ذیل میں درج کیے جانے والے گوشوارہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ دوسرے اور تیسرے زمرے میں برسرِ روزگار اشخاص کا فیصد تناسب تھوڑا ہے اور پہلا زمرہ غالب ہے۔ گذشتہ دو دہائی سالوں میں دوسرے اور تیسرے زمرے کے برسرِ روزگار لوگوں کے فیصد تناسب میں کچھ اضافہ ہوا ہے لیکن برسرِ روزگار عورتوں کے فیصد تناسب میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔

گوشوارہ نمبر ۹

مختلف شعبوں میں برسرِ روزگار مرد کارکنوں کا فیصد تناسب ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

سال	اولین	دوسرا	تیسرا
۱۹۰۱ء	۷۰٫۳۷	۱۲٫۳۱	۱۷٫۳۲
۱۹۵۱ء	۶۹٫۰۸	۱۱٫۵۹	۱۹٫۳۳
۱۹۶۱ء	۶۷٫۹۸	۱۲٫۶۸	۱۹٫۳۴

صنعتی زُمرے کے کارکُن

ہندوستان میں ابھی کسانوں والی معیشت چلی آرہی ہے اور صنعتی روزگار کے نمونہ میں معمولی تبدیلی ہوئی ہے۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے صنعتی ورکروں کی تقسیم کا فیصد تناسب ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱

صنعتی زمروں اور مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے کارکنوں کی تقسیم کا فیصد تناسب ۱۹۶۱ء

زُمرہ	فیصد تناسب		
	کل میزان	مرد	عورت
۱۔ کاشتکار	۵۲٫۸۲	۵۱٫۴۶	۵۵٫۷۲
۲۔ زرعی مزدور	۱۶٫۷۱	۱۳٫۴۲	۲۳٫۸۶
۳۔ کان کنی، پتھروں کی کھدائی، مویشیوں کی پرورش ماہی گیری، جنگل بانی، باغبانی اور باغات وغیرہ	۲٫۷۵	۳٫۱۰	۲٫۰۰
۴۔ (الف) مینوفیکچرنگ۔ گھریلو صنعتیں	۵٫۲۵	۴٫۵۱	۶٫۸۲
(ب) دیگر گھریلو صنعتیں	۱٫۱۴	۱٫۲۰	۱٫۰۳
۵۔ مینوفیکچرنگ۔ جو گھریلو نہیں	۴٫۲۲	۵٫۵۶	۱٫۳۳
۶۔ تعمیر	۱٫۰۹	۱٫۴۱	۰٫۴۱
۷۔ صنعت و تجارت	۴٫۰۵	۵٫۲۹	۱٫۳۷
۸۔ ٹرانسپورٹ، گودام اور رسل و رسائل	۱٫۵۹	۲٫۲۸	۰٫۱۱
۹۔ دیگر محکمے	۱۰٫۳۸	۱۱٫۷۷	۷٫۳۵
کل میزان	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰

ہندوستان کی آبادی بہت زیادہ ہے یعنی ۵۰ کروڑ ہے اور یہ آبادی ہر سال تقریباً ایک کروڑ دس لاکھ بڑھ جاتی ہے۔ آبادی میں اضافہ کی موجودہ شرح تقریباً ۲٫۲ فیصدی سالانہ ہے اور اگر آئندہ بیس برس میں شرح پیدائش میں نمایاں کمی واقع نہ ہوئی تو ایسے امکانات

موجود ہیں کہ آبادی میں اضافہ کی شرح مزید بڑھ جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ٹھوس ثبوت اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شرحِ اموات ۱۹۸۱ء تک گر کر ایک ہزار کے پیچھے دس رہ جائے گی۔ ہماری معیشت غالب طور پر زرعی معیشت ہے کیونکہ ہمارے ہاں مردوں کی ۷۰ فیصدی آبادی زراعت پر دارومدار رکھتی ہے۔ ہماری ۸۲ فیصدی آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے جہاں تعلیمی اور دیگر سہولتیں بہت کم ہیں۔ کاروبارِ زندگی کو جدید رنگ میں ڈھالنے کے عمل نے ابھی ہمارے ملک میں جڑ نہیں پکڑی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شہروں اور دیہات دونوں میں شرح پیدائش بہت زیادہ ہے۔ ان تمام حقائق نے ہمارے ملک میں معاشی ترقی کی رفتار کو کم کیا ہے اور یہ حقائق منصوبہ سازوں اور پالیسی مرتب کرنے والوں کے لیے تشویش کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

چوتھا باب

ہندوستان میں شادی کے وقت عُمر

یہ بات سب جانتے ہیں کہ ہندوستان میں وسیع پیمانے پر بچپن کی شادیاں ایک عرصے سے ہوتی چلی آرہی ہیں اور اس کے نتیجے کے طور پر ہر کوئی یہ توقع کر سکتا ہے کہ شادی کی اوسط عُمر بہت کم رہی ہوگی۔ خاص طور سے عورتوں میں۔ بہرکیف اس امر پر زور دینا ضروری ہے کہ شادی، خصوصاً ہندوؤں میں اکثر ایک ناقابلِ تنسیخ بندھن ہوتی ہے۔ بچپن کی شادی کی صورت میں فریقین شادی کی رسم ادا ہو چکنے کے فوراً بعد مل کر رہنا نہیں شروع کر دیتے۔ ازدواجی رشتے کے آغاز سے پہلے ایک اور رسم ادا کی جاتی ہے جسے "گونا" یا "بدا" کہتے ہیں۔ دلہن اپنی شادی اور گونے کی رسم کے درمیانی عرصہ میں (یہ عرصہ تقریباً سن بلوغ اور برادری کی طرف سے یہ تسلیم کیے جانے کے درمیان کا عرصہ ہوتا ہے کہ اب دلہن ماں بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔) اپنے والدین کے ہاں رہتی ہے۔ اکثر شادیاں تاخیر سے ہوتی ہیں جب کہ فریقین بالغ ہو جاتے ہیں۔ ایسا تعلیمیافتہ خاندانوں میں ہوتا ہے۔ گونے کی رسم شادی کے وقت ہی ادا کر دی جاتی ہے۔

ان دنوں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ شادی کی عُمر بڑھ رہی ہے لیکن اس مشکوک رجحان سے متعلق معتبر گوشوارہ چھپی ہوئی صورت میں نہیں ملتا ہے کیونکہ ہندوستان میں شادی کو رجسٹر کرانے کا نظام موجود نہیں ہے۔ بہرکیف عمر کے لحاظ سے رہن سہن کے حالات کے متعلق مردم شماری کی معلومات کو استعمال کرتے ہوئے اور مردم شماری کے اعداد و شمار میں درج عُمر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے تناسبوں کو شمار کرنا اور ایک خاص عمر یعنی ۵۰ برس کی عُمر تک شادی کرانے والے لوگوں کی اوسط عُمر کا اندازہ لگانا ممکن ہے۔ گوشوارہ نمبر ۱۱ میں ۱۸۹۱ء سے لیکر ۱۹۶۱ء تک کے عرصے کے لیے مردوں اور عورتوں کی شادی کی اوسط عمر پیش کی جارہی ہے۔

اس گوشوارہ سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی شادی کی اوسط عُمر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۲۱ء تک بڑھتی رہی ہے۔ دس سال کی مدت میں عورتوں کے لیے شادی کی عُمر میں اضافہ کی اوسط شرح ۰.۲۸ سال تھی اور مردوں کے لیے ۰.۲۳ سال تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری سے اس بات کا پتہ چلا کہ مردوں

اور عورتوں کی شادی کی اوسط عمر میں کمی واقع ہوئی ہے۔ شاید اس لیے کہ بچپن کی شادی کی روک تھام سے متعلق ایکٹ ۱۹۲۹ء میں پاس کیا گیا تھا۔ یہ قانون جسے اس کے محرک شری ہربلاس شاردا کے نام پر "شاردا ایکٹ" کہا جاتا ہے، ہندوستان کی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۱۹۲۷ء میں پیش کیا گیا تھا مگر پاس ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا تھا اور اس پر یکم اپریل ۱۹۳۰ء کو عملدرآمد شروع ہونے والا تھا۔ شاردا ایکٹ پاس کیے جانے اور اس کے لاگو ہونے کے درمیانی عرصے کے دوران لوگوں نے وسیع پیمانے پر اپنے بچوں کی شادیاں کرنے کا فائدہ اٹھایا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ —

گوشوارہ نمبر ۱۱

ہندوستان میں صوبوں میں شادی کی اوسط عمر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

		۱۸۹۱ء	۱۹۰۱ء	۱۹۱۱ء	۱۹۲۱ء	۱۹۳۱ء	۱۹۴۱ء	۱۹۵۱ء	۱۹۶۱ء
آندھرا پردیش	مرد	۱۸٫۳۰	۱۹٫۴۵	۱۸٫۹۸	۱۹٫۳۲	۱۶٫۳۸	۱۷٫۳۷	۲۰٫۱۴	۲۲٫۲۱
	عورت	۱۰٫۳۳	۱۲٫۱۸	۱۰٫۸۰	۱۱٫۲۲	۱۰٫۴۵	۱۱٫۹۰	۱۲٫۵۸	۱۵٫۲۶
۲۔ آسام	مرد	۲۳٫۷۶	۲۲٫۵۷	۲۳٫۹۱	۲۲٫۹۸	۲۱٫۸۵	۲۳٫۱۷	۲۳٫۷۵	۲۵٫۷۳
	عورت	۱۴٫۵۹	۱۴٫۹۲	۱۴٫۸۶	۱۵٫۳۰	۱۴٫۲۶	۱۶٫۲۳	۱۷٫۰۲	۱۸٫۵۴
۳۔ بہار اور	مرد	۱۹٫۰۳	۱۸٫۹۷	۱۶٫۹۵	۱۷٫۵۶	۱۵٫۷۲	۱۸٫۱۲	۱۷٫۶۷	۱۹٫۵۵
اڑیسہ	عورت	۱۱٫۱۷	۱۱٫۴۱	۱۱٫۵۸	۱۲٫۴۸	۱۱٫۲۳	۱۳٫۴۲	۱۴٫۳۰	۱۴٫۸۱
۴۔ گجرات اور	مرد	۱۸٫۵۵	۱۹٫۹۷	۲۰٫۱۲	۲۰٫۵۹	۱۹٫۲۰	۲۰٫۶۱	۲۱٫۹۱	۲۲٫۴۲
مہاراشٹر	عورت	۱۰٫۹۴	۱۲٫۶۰	۱۱٫۹۴	۱۲٫۴۸	۱۲٫۲۵	۱۴٫۲۶	۱۵٫۶۶	۱۵٫۷۴
۵۔ کیرل	مرد	—	۲۳٫۰۴	۲۳٫۳۵	۲۴٫۲۲	۲۳٫۲۹	—	۲۵٫۶۷	۲۶٫۰۵
	عورت	—	۱۷٫۳۷	۱۷٫۷۴	۱۷٫۲۱	۱۷٫۶۰	—	۲۰٫۰۶	۱۹٫۶۸
۶۔ مدھیہ پردیش	مرد	۱۸٫۲۴	۱۸٫۳۸	۱۷٫۸۸	۱۷٫۵۲	۱۵٫۶۹	۱۸٫۷۵	۱۹٫۱۲	۱۸٫۳۷
	عورت	۱۲٫۶۷	۱۲٫۹۷	۱۱٫۶۰	۱۲٫۰۶	۱۰٫۷۱	۱۳٫۸۵	۱۴٫۲۴	۱۳٫۸۷
۷۔ مدراس	مرد	۲۳٫۲۱	۲۳٫۸۱	۲۲٫۰۰	۲۳٫۱۷	۲۲٫۰۶	۲۳٫۳۶	۲۳٫۵۸	۲۵٫۱۵
	عورت	۱۴٫۴۱	۱۵٫۲۵	۱۵٫۰۸	۱۵٫۳۱	۱۴٫۹۲	۱۶٫۱۳	۱۷٫۱۸	۱۸٫۱۴

۸۔میسور	مرد	۲۴٫۱۲	۲۴٫۲۸	۲۴٫۲۴	۲۴٫۹۲	۲۳٫۸۳	۲۴٫۶۳	۲۵٫۴۸	۲۴٫۴۴
	عورت	۱۴٫۱۴	۱۵٫۱۴	۱۵٫۲۱	۱۵٫۲۲	۱۴٫۵۵	۱۶٫۱۷	۱۶٫۲۰	۱۶٫۲۳
۹۔پنجاب	مرد	۲۲٫۱۸	۲۱٫۹۴	۲۱٫۷۹	۲۲٫۱۵	۲۱٫۴۱	۲۰٫۵۹	۲۱٫۶۹	۲۱٫۷۳
	عورت	۱۳٫۱۷	۱۵٫۰۴	۱۴٫۶۴	۱۵٫۱۲	۱۵٫۱۶	۱۵٫۴۳	۱۶٫۳۲	۱۷٫۴۶
۱۰۔راجستھان	مرد	۲۰٫۱۶	۱۹٫۷۰	۲۱٫۰۰	۲۰٫۴۳	۱۸٫۴۱	۱۸٫۶۹	۱۸٫۷۱	۱۹٫۰۹
	عورت	۱۲٫۹۸	۱۳٫۶۷	۱۲٫۹۶	۱۳٫۱۳	۱۲٫۴۱	۱۳٫۵۴	۱۴٫۲۴	۱۴٫۲۲
۱۱۔ اُتر پردیش	مرد	۱۸٫۱۷	۱۷٫۶۵	۱۷٫۷۸	۱۸٫۲۸	۱۶٫۶۵	۱۸٫۱۶	۱۸٫۱۸	۱۸٫۷۵
	عورت	۱۲٫۲۸	۱۲٫۲۷	۱۲٫۲۳	۱۲٫۴۲	۱۱٫۶۹	۱۳٫۰۸	۱۳٫۷۶	۱۴٫۴۳
۱۲۔مغربی بنگال	مرد	۱۹٫۰۳	۱۸٫۹۷	۲۰٫۷۹	۲۱٫۴۹	۱۸٫۷۵	۲۱٫۶۰	۲۲٫۰۱	۲۴٫۱۸
	عورت	۱۱٫۱۷	۱۱٫۴۱	۱۱٫۶۸	۱۲٫۲۷	۱۰٫۷۱	۱۳٫۲۴	۱۴٫۶۶	۱۵٫۸۶
ہندوستان	مرد	۱۹٫۵۵	۲۰٫۰۱	۲۰٫۲۶	۲۰٫۶۹	۱۸٫۶۲	۱۹٫۹۱	۱۹٫۸۹	۲۱٫۵۹
	عورت	۱۲٫۵۴	۱۳٫۱۴	۱۳٫۱۶	۱۳٫۶۷	۱۲٫۶۹	۱۴٫۶۹	۱۵٫۵۹	۱۵٫۸۳

شادی کی اوسط عمر میں بھاری کمی واقع ہوئی۔ بہر حال ۱۹۳۱ء کے بعد سے عورتوں کی شادی کی عمر بڑھتی جارہی ہے اور اب (۱۹۶۱ء کی مردم شماری) لگ بھگ سولہ سال ہے۔ تاہم ہند کے ۵ صوبوں یعنی راجستھان، مدھیہ پردیش، اُتر پردیش، بہار اور اڑیسہ میں یہ ابھی تک قانونی طور پر مقرر کی گئی شادی کی کم سے کم عمر سے بہت کم ہے۔

ہندوستان میں ۱۹۶۱ء میں مردوں کی شادی کی اوسط عمر ۲۲ سال تھی۔ ۱۹۳۱ء میں یہ بہت کم ہوگئی۔ اس کے اسباب کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے ورنہ ۱۸۹۱ء اور ۱۹۵۱ء کے درمیان مردوں کی شادی کی عمر لگ بھگ ۲۰ سال تھی۔ گذشتہ ۳۰ سال کے دوران مردوں اور عورتوں کی شادی کی عمر کے بڑھنے کا زیادہ تر سبب یہ ہے کہ بچپن کی شادیوں میں کمی واقع ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ تک کے دہائی سالوں میں، ۲ فیصدی لڑکیوں کی شادی ۱۴ سال کی عمر میں ہوئی تو ۶۱-۱۹۵۱ء کی دہائی میں صرف ۲۰ فیصدی لڑکیوں کی اس عمر میں شادی ہوئی۔ ایک بار

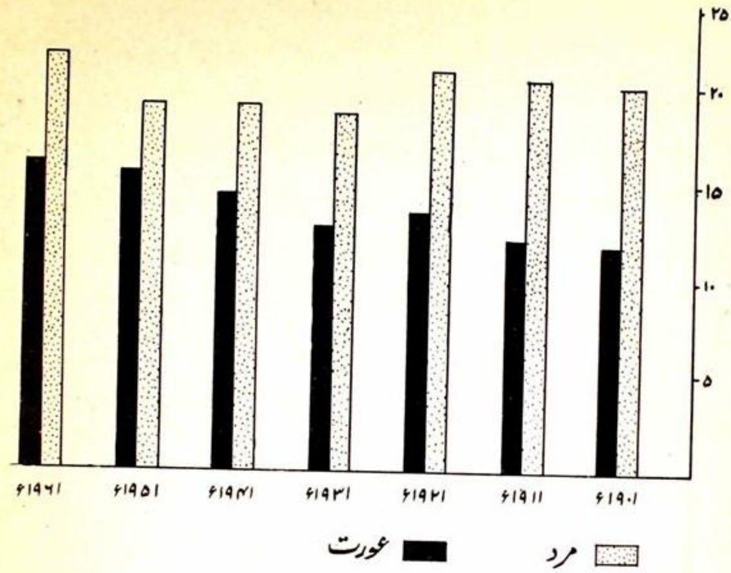

خاکہ نمبر ۳۔ شادی کے وقت مردوں اور عورتوں کی اوسط عُمر

پھر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک کے دہائی سالوں میں اگر ۱۱ فیصدی لڑکیوں کی شادی ۱۰ سال کی عُمر میں ہوئی تو ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک کے دہائی سالوں میں اس عُمر میں شادی کرانے والی لڑکیوں کی تعداد برائے نام تھی۔

اگر آپ علاقائی طور پر شادی کی اوسط عُمر میں فرق پر نظر ڈالیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمالی ہندوستان کے صوبوں کی نسبت جنوبی ہندوستان کے صوبوں مثلاً آندھرپردیش، گُجرات، کیرل، مہاراشٹر اور مدراس میں شادی کی عُمر زیادہ ہے۔ بہر کیف بہار، مدھیہ پردیش، اڑلیسہ، راجستھان اور اُتر پردیش میں شادی کی عُمر بہت ہی کم ہے اور یہ بات بڑی حد تک دونوں مردوں اور عورتوں کے سلسلے میں صحیح اور درست ہے۔

مذہبی گروپوں کے اعتبار سے شادی کی عُمر

ہندوستان میں مذہبی گروپوں کے درمیان شادی کی اوسط عمر میں فرق بہت زیادہ نمایاں ہے،

مجموعی طور پر عیسائیوں میں شادی کی سب سے زیادہ اوسط عمر پائی جاتی ہے۔ ان کے بعد سکھوں، مسلمانوں اور ہندوؤں میں۔ یہ بات مردوں اور عورتوں دونوں کے سلسلے میں صحیح ہے۔ اگر ہم ۱۹۰۱ سے ۱۹۳۱ء تک کی اوسط کو مدِ نظر رکھیں تو جینیوں اور مسلمانوں میں شادی کی عمر تقریباً برابر ہے۔ لیکن اگر ہم ۱۹۳۱ء کے اعداد و شمار شامل نہ کریں تو مسلمانوں میں شادی کی عمر سب سے زیادہ ہے (گوشوارہ نمبر ۱۲) مردوں کی شادی کی اوسط عمر میں فرق (زیادہ سے زیادہ فرق صرف ۲½ سال کا ہے) عورتوں کی شادی کی اوسط عمر کے فرق کی نسبت جو زیادہ سے زیادہ ۴٫۶ سال کا ہے بہت نمایاں نہیں ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱۲

ہندوستان میں مختلف مذہبی گروہوں میں شادی کے وقت اوسط عمر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۳۱ء تک

		۱۸۹۱ء	۱۹۰۱ء	۱۹۱۱ء	۱۹۲۱ء	۱۹۳۱ء
عیسائی	مرد	۲۴٫۴	۲۴٫۲	۲۴٫۱	۲۳٫۷	۲۲٫۶
	عورت	۱۶٫۹	۱۷٫۲	۱۷٫۲	۱۷٫۵	۱۷٫۲
سکھ	مرد	۱۸٫۶	۲۱٫۲	۲۱٫۸	۲۲٫۷	۲۱٫۵
	عورت	۱۲٫۴	۱۴٫۴	۱۴٫۳	۱۴٫۹	۱۵٫۲
مسلمان	مرد	۲۰٫۶	۲۱٫۲	۲۱٫۵	۲۱٫۷	۱۹٫۴
	عورت	۱۳٫۱	۱۳٫۷	۱۳٫۵	۱۳٫۸	۱۲٫۷
جینی	مرد	۱۹٫۶	۱۹٫۹	۲۰٫۸	۲۱٫۵	۲۰٫۴
	عورت	۱۲٫۳	۱۳٫۴	۱۳٫۱	۱۳٫۶	۱۳٫۵
ہندو	مرد	۱۹٫۳	۱۹٫۵	۱۹٫۶	۲۰٫۰	۱۸٫۵
	عورت	۱۲٫۱	۱۲٫۸	۱۲٫۴	۱۲٫۹	۱۲٫۳

دلچسپ نکتہ تو یہ ہے کہ تمام صوبوں میں ایک جیسے درجے کے فرق بھی پائے جاتے ہیں اور اس امر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علاقائی فرق مذہبی گروہوں کے فرق پر سبقت لے گئے ہیں۔

ذات پات کے اعتبار سے شادی کی عمر

ہندوستان میں ذات پات کے اعتبار سے شادی کی عمر میں فرق بہت نمایاں ہیں۔ مجموعی طور

پس ماندہ جاتیوں کی عورتوں کی شادی کی اوسط عمر بہت کم ہے۔ ان کے بعد برہمن عورتوں، جنگجو جاتیوں کی عورتوں اور بیوپار کرنے والی جاتیوں کی عورتوں کا نمبر آتا ہے۔ انتہائی جنوبی علاقوں کے سوا جہاں برہمن عورتوں کی شادی کے وقت اوسط عمر بہت ہی کم ہے۔ (مثلاً میسور، مدراس اور کیرل کے پردیشوں میں) بیوپاری اور جنگ جو جاتیوں کی عورتوں کی شادی کی اوسط عمر تقریباً یکساں ہے۔ اور اسی طرح برہمن اور پس ماندہ جاتیوں کی عورتوں کی شادی کی اوسط عمر ایک دوسرے کے قریب تر پہنچتی ہے۔ جاتیوں کے دو جوڑوں کے درمیان فرق تقریباً ایک سال ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کیرل کے سوا اور مدراس اور میسور میں چند جاتیوں کے سوا ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۱ء تک کے عرصے کے لیے تمام جاتیوں کی عورتوں کی شادی کی اوسط عمر شاردا ایکٹ میں مقرر کی گئی کم سے کم ۱۴ سال کی عمر سے کم تھی۔ انتہائی جنوب کے صوبوں میں عموماً اور کیرل میں خصوصاً، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، یہ بات حیرت انگیز ہے کہ وہاں عورتوں کی شادی کی عمر زیادہ ہے۔

مختلف جاتیوں کے مردوں کے درمیان شادی کی اوسط عمر عورتوں کے درمیان شادی کی اوسط عمر کے عام نمونے کی پیروی کرتی ہے۔ پچھڑی جاتیاں واضح طور سے الگ نظر آتی ہیں کیوں کہ ان میں شادی کی اوسط عمر سب سے کم ہے۔ باقی جاتیوں میں شادی کی اوسط عمر تقریباً برابر ہے۔ اور تین جاتیوں میں تو زیادہ سے زیادہ فرق صرف ۰۶۶ سال کا ہے۔

ہندوستان میں دیہات اور شہروں کے درمیان شادی کی اوسط عمر کے اہم ترین فرق نمایاں ہوئے ہیں۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری نے صاف طور سے ظاہر کیا ہے کہ شہری علاقوں میں شادی کی اوسط عمر دو تین سال زیادہ ہے۔ یہ ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ چونکہ یہ بات جانی پہچانی ہے کہ شادی کے وقت زیادہ عمر افزائش نسل کی قوت کو کم کر دیتی ہے اور شرحِ پیدائش کو گھٹا دیتی ہے۔ ہندوستان میں یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ جو عورتیں انیس بیس برس کے بعد شادی کرتی ہیں ان کی افزائشِ نسل کی کل قوت ان عورتوں سے کم ہوتی ہے جو ذرا جلد شادی کر لیتی ہیں۔

اعداد و شمار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان میں عورت کی شادی کی عمر کو انیس برس تک بڑھا دیا جائے اور کسی عورت کو ۲۰ برس کی عمر سے پہلے بچے کو جنم دینے کی اجازت نہ دی جائے

تو ۲۵ سالوں میں شرحِ پیدائش تقریباً ۴۰ فیصدی کم ہو سکتی ہے۔[1] لہٰذا ہندوستان کے شہری علاقوں میں عورت کی شادی کی زیادہ عمر شرحِ پیدائش کو کم کر سکتی ہے۔ ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کی کامیابی کے لیے یہ ایک اہم ترین واقعہ ہوگا اور یہ دیکھنے کے لیے کہ شہری علاقوں میں شرحِ پیدائش کم ہو رہی ہے یا نہیں شرحِ پیدائش سے متعلق معتبر اعداد و شمار جمع کرنا بھی مفید ثابت ہوگا۔

---

[1] ایس۔ این۔ اگروال کا مقالہ۔ "ہندوستان میں شرحِ پیدائش پر عورتوں کی شادی کی عمر میں اضافہ کا اثر" جسے ۱۹۶۵ء میں بلگریڈ میں منعقدہ آبادی سے متعلق عالمی کانفرنس میں پیش کیا گیا اور ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کے رجسٹرار جنرل کے نئی دلّی کے دفتر نے "۱۹۶۵ء میں آبادی سے متعلق عالمی کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالے" نام کی کتاب میں شائع کیا۔

اگست ۱۹۶۸ء (بھادرا ۱۸۹۰)

(August 1968 (Bhadra 1890)

© ڈاکٹر ایس۔این۔اگروال

قیمت ۵/۲۵

POPULATION

(URDU)

سکریٹری نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا۔ نئی دہلی ۱۶ نے
لبرٹی آرٹ پریس دریا گنج دہلی ۶ میں چھپوا کر شائع کیا

پانچواں باب

ہندوستان میں افزائشِ نسل کے لیے اتحاد کی مدّت

یہ کہا جاتا ہے کہ افزائشِ نسل کی قوّت کا انحصار (۱) اُس عمر پر ہوتا ہے جس میں عورتیں شادی کرتی ہیں (۲) اُس مدّت پر ہوتا ہے جس کے دوران وہ افزائشِ نسل کے لیے اختلاط کی زندگی بسر کرتی ہیں اور (۳) اُس برق رفتاری پر ہوتا ہے جس سے وہ اپنا خاندان تعمیر کرتی ہیں۔ پہلے مسئلے پر گذشتہ باب میں بحث کی جا چکی ہے اور موجود باب میں دوسرے مسئلے پر بحث کی جائے گی۔

افزائش نسل کے لیے اتحاد اصل شادی (گونا) سے شروع ہوتا ہے اور بیوگی، رنڈوے پن، جدائی طلاق یا بچّے پیدا کرنے کی پچاس برس کی زیادہ سے زیادہ حدِ عمر پار کر جانے پر ختم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں علیحدگی اور طلاق کے واقعات چونکہ برائے نام ہیں اور معتبر معلومات دستیاب نہیں ہیں لہٰذا ان کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ پس افزائشِ نسل کے لیے اختلاط کو روکنے کے اہم اسباب یہ ہو سکتے ہیں کہ عورت بیوہ ہو جائے یا مَرد رنڈوا ہو جائے اور بیوہ کی از سرِ نو شادی پر موجودہ پابندیاں جاری رہیں۔ افزائشِ نسل کے لیے اتحاد جب ایک بار شادی شدہ کسی ایک رفیق کی موت کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے تو زندہ رہنے والے رفیق کی از سرِ نو شادی پر دوبارہ شروع ہو سکتا ہے۔ ان حقائق پر اس بات کا تعیّن کرنے کے لیے غور کیا گیا ہے کہ وہ مدّت کتنی لمبی ہوتی ہے جس میں اوسطاً ایک جوڑا افزائشِ نسل کے لیے اتحاد کی زندگی بسر کرتا ہے اور عورت کے حاملہ ہونے کا ڈر رہتا ہے۔

بیوگی کے وقت عُمر

عمر کے لحاظ سے ازدواجی رتبے کے متعلق مردم شماری کے اعداد و شمار کی مدد سے جو تخمینے حاصل کیے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جو عورتیں ۵۰ سال کی عمر میں بیوہ ہوتی ہیں ان کی اوسط عمر ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک کے دہائی سالوں میں ۳۸ء۳ برس تھی۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء تک اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء تک کے دہائی سالوں میں تقریباً ۳۲ برس تھی۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۱ء تک کے دہائی سال میں بیوہ

ہونے کی اوسط عمر کم ہونے کی وجہ شاید یہ تھی کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد انفلوئنزا کی وبا پھوٹ پڑی تھی۔ اور ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء تک کے دہائی سال میں یہ عمر شاید اس لیے کم تھی کہ ۳۰-۱۹۲۹ء میں حد سے زیادہ بچپن کی شادیوں کی وجہ سے چھوٹی لڑکیاں بیوہ ہو گئی تھیں۔ حال ہی میں بیوگی کی اوسط عمر بڑھی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شرحِ اموات کم ہو گئی ہے۔

گوشوارہ ۱۳

ہندوستان اور صوبوں میں ۵۰ برس کی عمر میں بیوہ ہونے والی عورتوں کی بیوگی کی اوسط عمر ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

	۱۹۰۱-۱۱ء	۱۹۱۱-۲۱ء	۱۹۲۱-۳۱ء	۱۹۳۱-۴۱ء	۱۹۴۱-۵۱ء	۱۹۵۱-۶۱ء
۱	۲	۲	۴	۵	۶	۷
آندھرپردیش	۳۶٫۶	۳۱٫۲	۳۶٫۱	۲۹٫۸	۳۸٫۲	۳۷٫۹
آسام	۳۱٫۹	۳۳٫۱	۳۵٫۸	۳۲٫۶	۳۵٫۰	۳۶٫۹
بنگال	۳۲٫۸[۱]	۳۲٫۲	۳۴٫۸	۳۱٫۶	۳۵٫۴	۳۵٫۹
بہار اور اڑیسہ	۳۳٫۱	۳۳٫۶	۳۶٫۹	۳۵٫۱	۳۳٫۰	۴۰٫۶
بمبئی[۲]	۳۷٫۹	۳۳٫۰	۳۷٫۸	۳۴٫۰	۳۷٫۰	۳۸٫۷
کشمیر	۳۶٫۱	۳۴٫۷	۳۶٫۲	۳۵٫۳	—	۴۰٫۲[۴]
کیرل[۳]	۳۰٫۸	۳۴٫۲	۳۶٫۲	۳۳٫۴	۳۴٫۹	۳۹٫۵
مدھیہ پردیش	۳۷٫۹	۳۳٫۹	۳۸٫۶	۳۵٫۴	۳۴٫۷	۴۰٫۴
مدراس	۳۴٫۴	۳۰٫۹	۳۶٫۳	۳۲٫۱	۳۴٫۸	۳۸٫۸
میسور	۳۳٫۲	۲۷٫۲	۳۵٫۱	۳۵٫۲	۳۶٫۰	۳۹٫۰

[۱] ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار بنگال، بہار اور اڑیسہ کے لیے مشترکہ اعداد و شمار ہیں۔

[۲] یہ سابقہ بمبئی صوبے کے اعداد و شمار ہیں یعنی مہاراشٹر اور گجرات کے مشترکہ اعداد و شمار ہیں۔

[۳] ۱۹۵۱ء تک کے اعداد و شمار سابقہ ٹراونکور۔ کوچین صوبے کے لیے ہیں۔

[۴] یہ اعداد و شمار ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے ہیں۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
پنجاب	۳۲٫۴	۳۶٫۳	۳۶٫۵	۳۴٫۵	۳۷٫۱	۳۹٫۳
راجستھان	۳۸٫۳	۳۱٫۹	۳۶٫۲	۳۶٫۱	۳۴٫۹	۳۹٫۲
اُتر پردیش	۳۴٫۳	۳۵٫۴	۳۸٫۰	۳۶٫۵	۳۷٫۸	۳۹٫۵
ہندوستان	۳۴٫۴	۳۳٫۱	۳۶٫۶	۳۲٫۵	۳۵٫۷	۳۸٫۳

اس بات کا پتہ چلا ہے کہ صفر سے ۴ برس کی عُمر کے درمیان شادیاں کرانے والی ہر ہزار لڑکیوں میں سے تقریباً ۳۰ سے لیکر ۵۰ تک لڑکیاں بیوہ ہوجاتی ہیں۔ اس عمر کے گروپ سے ۵ برس کے اوپر کے گروپ میں شادی شدہ ہر ہزار لڑکیوں میں سے ۴۰ سے ۶۰ تک لڑکیاں بیوہ ہوجاتی ہیں۔ ۱۰ سے ۱۴ برس کی عمر کے گروپ میں بیوہ ہوجانے والی عورتوں کی تعداد ایک ہزار شادی شدہ عورتوں کے پیچھے تقریباً ۲۰ سے ۴۰ تک رہ جاتی ہے اور پھر بتدریج بڑھتی ہے۔ اس طرح ۵۰ سے ۵۵ سال کی عمر کے گروپ میں ایک ہزار عورتوں کے پیچھے ۵۰۰ سے ۶۰۰ تک عورتیں بیوہ ہوجاتی ہیں۔ ابتدائی عمر کے گروپ میں زیادہ عورتوں کا بیوہ ہونا اور پھر دس سے ۱۴ برس کی عمر کے گروپ میں کم عورتوں کا بیوہ ہونا اور پھر عمر بڑھنے پر بیوہ عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہندوستان میں پائی جانے والی مردوں کی شرح اموات کے نمونہ کے عین مطابق ہے۔

مذہب کے اعتبار سے بیوگی کی عمر

ازدواجی رتبے اور مذہب کے اعتبار سے مردم شماری کے اعداد و شمار صرف ۱۹۳۱ء کی مردم شماری تک ملتے ہیں۔ ۱۹۴۱ء، ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء کی مردم شماریوں میں اگرچہ مذہب سے متعلق معلومات جمع کی گئی تھیں لیکن ازدواجی رتبے کے اعتبار سے ان کا گوشوارہ مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ لہذا مذہب کے اعتبار سے بیوگی کی اوسط عمر کا مطالعہ صرف ۳۱-۱۹۲۱ء کے دہائی سالوں تک کیا جا سکتا ہے۔

اس بات کا پتہ چلا ہے کہ عیسائی عورتوں کی بیوگی کی عمر سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں اور جینیوں کا نمبر آتا ہے۔ اِمر واقعہ تو یہ ہے کہ ایک طرف عیسائی اور مسلمان عورتوں کی بیوگی کی عمر اور دوسری طرف ہندوؤں اور سکھوں کی بیوگی کی عمر ایک دوسری کے قریب تر ہے۔ جین اور بُدھ عورتوں کی بیوگی کی عمریں بھی ایک دوسری کے قریب ہیں (گوشوارہ نمبر ۱۴) اس کی وجہ

گوشوارہ ۱۴

ہندوستان میں مذہب کے اعتبار سے ان عورتوں کی بیوگی کی اوسط عمر جو ۵۰ سال کی عمر میں بیوہ ہوجاتی ہیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک اور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء تک

	۱۹۰۱-۱۱ء	۱۹۱۱-۲۱ء	۱۹۲۱-۳۱ء	اوسط
۱	۲	۳	۴	۵
ہندو	۳۵٫۳	۳۲٫۸	۳۶٫۶	۳۴٫۹
مسلمان	۳۵٫۵	۳۴٫۰	۳۶٫۶	۳۵٫۴
عیسائی	۳۵٫۷	۳۴٫۹	۳۷٫۰	۳۵٫۹
سکھ	۳۳٫۲	۳۴٫۰	۳۵٫۸	۳۴٫۳
جَینی	۳۲٫۸	۲۹٫۶	۳۳٫۹	۳۲٫۱

شاید یہ ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں بیواؤں کی ازسرِنو شادی پر کوئی مذہبی یا سماجی پابندی نہیں ہے جبکہ باقی مذاہب کے گروہوں میں چند پابندیاں عائد ہیں۔

یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ تمام مذہبی گروہوں میں عورت کے بیوہ ہونے کی اوسط عمر ۲۱-۱۹۱۱ء کے دہائی سال میں کم ہوگئی۔ اس کی وجہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے یہ تھی کہ ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا پھیلنے سے شرحِ اموات میں بھاری اضافہ ہوا۔ بچپن کی شادی کی روک تھام سے متعلق ایکٹ کے اثر کی جھلک گوشوارہ نمبر ۲۰ میں ملتی ہے چونکہ ۴۱-۱۹۳۱ء کے دہائی سال کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔

افزائشِ نسل کے لیے اتّحاد کی اوسط مدّت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے افزائش نسل کے لیے اتّحاد کی مدّت سے مراد وہ مدّت ہے جو عورت نے اپنی اصل شادی (گونا) کی عمر سے لیکر بیوہ ہونے کی عُمر یا افزائش نسل کی صلاحیت رکھنے والی زیادہ سے زیادہ ۵۰ سال کی حدِ عمر پار کر چکنے تک گزاری ہوتی ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ہندوستان میں شوہر اور بیویاں شادی کی رسم ادا ہو چکنے کے فوراً بعد ساتھ رہنا شروع نہیں کرتے ہیں خاص طور سے جب کہ شادی شدہ جوڑا جوان ہو۔ ایک اور رسم ادا کرنی پڑتی ہے جس کا نام "گونا" یا "بدا" ہے۔

یہ رسم اصل ازدواجی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے گونے کی عمر سے متعلق اعداد و شمار ہندوستان میں موجود نہیں ہیں۔ بہرکیف اس مفروضے پر موٹا سا اندازہ لگایا گیا ہے کہ جن عورتوں کی شادی پندرہ برس کی عمر میں یا اس کے بعد ہوتی ہے ان کا گونا شادی کے وقت ہی ہو جاتا ہے اور جن عورتوں کی شادی پندرہ برس سے کم عمر میں ہوتی ہے ان کا گونا پندرہ برس کی عمر میں ہو جاتا ہے۔ اس طرح گونے کے وقت اوسط عمر تقریباً ۱۷ سال کے برابر ہوتی ہے۔[۱]

افزائش نسل کے لیے اتحاد جو ہندوستان میں ۱۷ برس کی اوسط عمر سے شروع ہوتا ہے وہ شوہر کی موت (یعنی عورت کی بیوگی) یا عورت کی موت (یعنی مرد کا رنڈوا پن) سے ٹوٹ سکتا ہے۔ یہ اس وقت بھی ختم ہو سکتا ہے جب ایک شادی شدہ عورت افزائش نسل کی قوت کی زیادہ سے زیادہ ۵۰ سال کی حدِ عمر پار کر جاتی ہے۔ بیوگی اور رنڈوے پن کے اثر کا اندازہ اس عمر کا پتہ چلانے سے لگایا گیا ہے جس میں اوسطاً ایک شادی شدہ جوڑا افزائش نسل کے لیے اختلاط کو بیوہ یا رنڈوا ہونے پر ترک کر دیتا ہے۔ پورے ۳۳ سال کے عرصے کا اضافہ (۵۰ اور ۱۷ سال کی عمروں کے درمیان فرق) ان لوگوں کے لیے کیا گیا ہے جو بلا روک ٹوک ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس بات کا پتہ چلا ہے کہ بیوہ ہو جانے والی تقریباً ۲۵ سے ۳۰ فیصدی تک عورتیں از سرِ نو شادی کرتی ہیں۔[۲]

---

[۱] ایس۔ این اگروال کا مقالہ "مردم شماری کے اعداد و شمار کے اعتبار سے افزائش نسل کے لیے اختلاط کی اوسط مدت" لندن میں والدین کے منصوبہ بند فرائض سے متعلق منعقدہ چھٹی بین الاقوامی کانفرنس کی کارروائی پر رپورٹ" جسے والدین کے منصوبہ بند فرائض سے متعلق ادارے نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔ صفحات ۸۹-۹۳

[۲] شری اگروال نے یہ بات دریافت کی کہ دہلی کے چھ دیہات میں ۷ء۳ فیصدی بیواؤں نے، سہارنپور ضلع میں ۴۳ء۲ فیصدی بیواؤں نے، روہتک ضلع میں ۲۵ء۲ فیصدی بیواؤں نے اور ضلع متھرا میں ۲۳ء۰ فیصدی بیواؤں نے دوبارہ شادی کی۔ آپ رسالہ "میڈیکل ڈائجسٹ" کی ۱۹۶۲ء کی جلد ۳۰ شمارہ نمبر ۱۰ کے ۵۴۹ سے ۵۵۸ تک صفحات پر شری ایس۔ این اگروال کا مقالہ "ہندوستان میں بیواؤں کی از سرِ نو شادیاں" پڑھیے اور ۱۹۶۶ء میں معاشی ترقی کے ادارے دلی کی جانب سے شائع کی گئی کتاب "شمالی ہندوستان کے چند دیہی علاقوں میں بیواؤں کی از سرِ نو شادیاں" پڑھیے۔ صفحہ ۱۸۔ (مونوگراف)

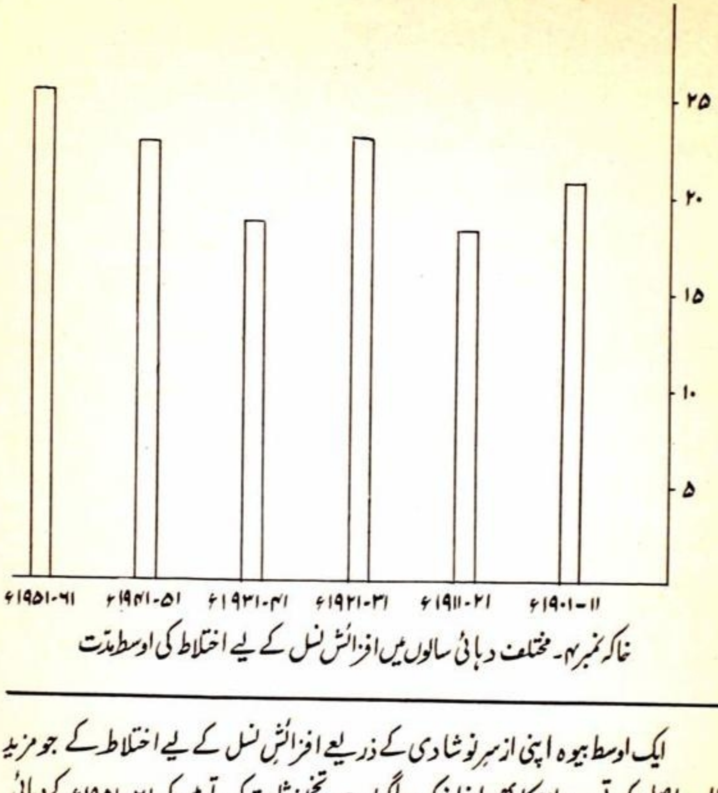

خاکہ نمبر ۴۔ مختلف دہائی سالوں میں افزائش نسل کے لیے اختلاط کی اوسط مدت

ایک اوسط بیوہ اپنی از سرِ نو شادی کے ذریعے افزائش نسل کے لیے اختلاط کے جو مزید سال حاصل کرتی ہے ان کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تخمینے ثابت کرتے ہیں کہ ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سال میں ایک شادی شدہ عورت نے افزائش نسل کے لیے اختلاط میں اوسطاً ۲۶ سال بسر کیے اور جب کہ اس سے پچاس سال پہلے شادی شدہ عورت نے صرف ۲۵ سال بسر کیے۔ (گوشوارہ نمبر ۱۵) شرحِ اموات میں کمی اس اضافے کا باعث ہے۔

گوشوارہ ۱۵

ہندوستان میں افزائش نسل کے لیے اختلاط کی اوسط مدت ۱۱-۱۹۰۱ء- ۶۱-۱۹۵۱ء

دہائی سال	افزائش نسل کے لیے اختلاط میں شرکت کی اوسط عمر	افزائش نسل کے لیے اختلاط کو ترک کرنے کی اوسط عمر	اوسط مدت (سالوں میں)
۱	۲	۳	۴
۱۱-۱۹۰۱ء	۱۷٫۱	۳۸٫۱	۲۱٫۰
۲۱-۱۹۱۱ء	۱۷٫۰	۳۵٫۶	۱۸٫۶
۳۱-۱۹۲۱ء	۱۷٫۱	۴۰٫۴	۲۳٫۳
۴۱-۱۹۳۱ء	۱۷٫۱	۳۶٫۰	۱۸٫۹
۵۱-۱۹۴۱ء	۱۷٫۰	۴۰٫۰	۲۳٫۰
۶۱-۱۹۵۱ء	۱۷٫۰	۴۲٫۹	۲۵٫۹

چھٹا باب

ہندوستان میں افزائشِ نسل کی صلاحیت

۳۵ برس کا عرصہ یعنی ۱۵ برس سے لے کر ۵۰ سال کی عمر تک کا عرصہ ایسا ہے جس میں عام طور سے عورتوں کے ہاں ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ پندرہ برس کی عمر میں شادی کرانے والی اور آئندہ ۳۵ سال کے لیے بلا روک ٹوک ازدواجی زندگی بسر کرنے والی عورت کے لیے حیاتیاتی اعتبار سے چودہ پندرہ بچوں کو جنم دینا ممکن ہے لیکن جدید زمانہ میں افزائشِ نسل کی صلاحیت شاذونادر ہی اس سے زاید بچے پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کے ایسے گروپ جو افزائش نسل کی زیادہ صلاحیت رکھنے کے لیے مشہور ہیں ان میں مثال کے طور پر ہُوتریت لوگوں کے ہاں اوسطاً ۹ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ کوکوس جزائر میں ملایا نژاد عورتیں اوسطاً ۸۶۴ بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ کیوبک کی دیہاتی عورتوں کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان کے ہاں ۹۶۹ بچے پیدا ہوتے ہیں اور برازیل میں عورتوں کے ہاں ۸۶۸ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہندوستانی عورتوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت جو ۶ سے ۸ بچوں تک جنم دیتی ہیں کافی کم ہے۔

کل ہند پیمانے پر عورتوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت سے متعلق اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں ۱۹۱۱ء، ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء کی ہندوستانی مردم شماریوں کے ذریعے عورتوں کی افزائشِ نسل کی صلاحیت سے متعلق جو معلومات حاصل کی گئی تھیں وہ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے بارے میں تھیں۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے وقت ٹراونکور۔ کوچین، مغربی بنگال اور مدھیہ پردیش میں عورتوں کی افزائش نسل کی صلاحیت سے متعلق اعداد و شمار ہی معتبر ہیں۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے وقت رجسٹرار جنرل کے دفتر نے رجسٹر شدہ لوگوں کا مطالعہ کیا اور افزائشِ نسل کی صلاحیت سے متعلق اعداد و شمار جمع کیے لیکن مکمل رپورٹ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ جو متعدد معائنے کیے گئے ہیں ان سے افزائشِ نسل کی صلاحیت سے متعلق معلومات تو میسّر آتی ہیں لیکن ان سے کل ہند پیمانے پر تصویر نمایاں نہیں ہوتی ہے۔ بہرحال دستیاب معلومات کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہندوستانی عورت ۶ سے ۸ بچوں کو جنم دیتی ہے بشرطیکہ اس کی ازدواجی زندگی میں کوئی

رکاوٹ نہ پڑے۔ (گوشوارہ نمبر ۱۶) اس گوشوارے سے پتہ چلتا ہے کہ شہروں میں افزائش نسل کی صلاحیت دیہات میں افزائش نسل کی صلاحیت سے کم نہیں ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ اگر شہری علاقوں میں اس صلاحیت کی حد ۶۶۲ اور ۶۶۸، بچّوں کے درمیان ہے تو دیہی علاقوں میں ۶۶۰ اور ۶۶۱، بچّوں کے درمیان ہے۔ ہندوستان میں دیہات اور شہروں میں افزائش نسل کی صلاحیت میں فرق کی عدم موجودگی اس حقیقت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے تعجب انگیز نہیں ہے کہ وہ حقائق جو اس فرق کا باعث بنتے ہیں وہ ابھی شہروں میں عمل پیرا نہیں ہوئے ہیں۔

گوشوارہ ۱۶

ایک عورت کے ہاں زندہ پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط تعداد

سروے	بچوں کی اوسط تعداد: دیہات	بچوں کی اوسط تعداد: شہر
۱	۲	۳
مردم شماری کے اعداد و شمار		
ٹراونکور۔ کوچین (۱۹۵۱ء)	۶۶۶	۶۶۴
مشرقی مدھیہ پردیش (۱۹۵۱ء)	۶۶۱	۶۶۳
مغربی بنگال (۱۹۵۱ء)	۶۶۰	—
رجسٹریشن کے اعداد و شمار		
اُتر پردیش کے سات اضلاع میں		
مردم شماری کا نمونہ (۱۹۵۲-۵۳ء)	۶۶۲	—
رجسٹریشن کے اعداد و شمار (۱۹۶۱)	—	۶۶۶
سروے		
قومی سروے کا نمونہ۔ سولھواں دور (۱۹۶۰-۶۱ء)	—	۶۶۵
میسور کا سروے (۱۹۵۲ء)	۶۶۰	۶۶۲
کانپور اور لکھنؤ کے سروے (۱۹۵۱ء)	—	۷۶۸
دلی کا سروے (۱۹۵۸-۶۰ء)	۷۶۱	—

مذہب کے اعتبار سے افزائش نسل کی صلاحیت

مذہب کے اعتبار سے افزائشِ نسل کی مختلف صلاحیتوں کے متعلق اعداد و شمار صرف مقامی معائنوں میں ملتے ہیں اس لیے کل ہند پیمانے پر تصویر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس کے باوجود تمام معائنوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں میں افزائشِ نسل کی صلاحیت زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر کانپور کے معائنے میں موزمدار کو پتہ چلا کہ مسلمان عورتوں کی افزائش نسل کی صلاحیت ۸۰۰ تھی اور ہندو عورتوں کی ۷۰۰ تھی۔[1] مسٹر ڈرائیور کو پتہ چلا کہ وسطی ہند میں ایک مسلمان عورت اوسطاً ۴۶۶ بچوں کو جنم دیتی ہے جبکہ ایک ہندو عورت اوسطاً ۴۶۵ بچوں کو جنم دیتی ہے۔[2]

میسور کے سروے میں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان عورت شہروں میں رہتے ہوئے جب کہ ۶۶۰ بچوں کو جنم دیتی ہے ہندو عورت صرف ۵۶۲ بچوں کو جنم دیتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان عورت جبکہ میسور کے دیہات میں ۵۶۰ بچوں کو جنم دیتی ہے ہندو عورت صرف ۴۶۸ بچوں کو جنم دیتی ہے۔[3] ایک مسلمان عورت میں افزائش نسل کی زیادہ صلاحیت کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان بیوہ کی ازسرِنو شادی پر پابندی عائد نہیں کرتے جبکہ ہندو یہ پابندی عائد کرتے ہیں۔

تعلیمی معیار کے اعتبار سے افزائش نسل کی صلاحیت

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ رسمی تعلیم کا اعلیٰ معیار افزائشِ نسل کی صلاحیت کو کم کرتا ہے۔ میسور کے سروے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بنگلور کے شہر میں ۱۵ برس اور اس سے اوپر کی عمر کی عورتیں جو ناخواندہ ہیں یا معمولی پڑھنا لکھنا جانتی ہیں یا مڈل اسکول کے معیار تک تعلیم یافتہ ہیں ۵۶۳ اور ۵۶۵ کے درمیان بچے پیدا کرتی ہیں۔ لیکن وہ عورتیں جن کا تعلیمی معیار ہائی اسکول تک یا اس سے اعلیٰ درجہ تک تھا صرف ۳۶۹ بچوں کو جنم دیتی تھیں۔ اسی طرح قومی سروے کے نمونے نے ظاہر کیا کہ ایک ایسی عورت کے ہاں جو ان پڑھ تھی یا پرائمری کے معیار تک پڑھی ہوئی تھی زندہ پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط تعداد ۶۶۶ تھی اور جو

---

[1] ڈی۔ این موزمدار کی کتاب "صنعتی شہر کے سماجی خدوخال" صفحہ ۱۴۴

[2] ای۔ ڈی۔ ڈرائیور کی کتاب "وسطی ہندوستان میں افزائش نسل کی صلاحیت میں فرق" صفحہ ۳۸

[3] اقوام متحدہ — "میسور کی آبادی کا مطالعہ" صفحہ ۲۰

دیباچہ

دنیا کے ممالک میں ہندوستان آبادی کے اعتبار سے دوسرے درجے پر ہے اور زمین کے رقبے کے لحاظ سے ساتویں درجے پر ہے۔ اس کی آبادی دنیا کی کل آبادی کے ۱۵ فیصدی حصّے کے برابر ہے اور اس کا رقبہ دنیا کے کل رقبے کے ۲،۴ فیصدی حصّے کے برابر ہے۔ اس کی آبادی جو سنہ ۱۹۵۱ء میں ۳۵ کروڑ ۷۰ لاکھ تھی، آج ۵۰ کروڑ ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ سنہ ۱۹۷۶ء میں اس کی آبادی ۶۴ کروڑ اور سنہ ۱۹۸۱ء میں ۷۲ کروڑ ہو جائے گی۔ اگر شرح پیدائش میں کمی نہیں ہوتی ہے تو ہماری معاشی ترقی کا مسئلہ اور بھی خراب ہو جائے گا۔

ہندوستان کی حکومت نے ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کو ایک سطح پر رکھنے کی مناسب پالیسی اختیار کی ہے۔ اس کا فوری مقصد یہ ہے کہ سنہ ۱۹۷۶ء تک موجودہ شرح پیدائش کو جو ۴۰ ہے ۲۵ کر دیا جائے۔ ایک انتظامیہ مشینری قائم کی گئی ہے جو شہری اور دیہی آبادی کو طبّی خدمات فراہم کرنے کے قابل ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا تقاضہ ہے کہ لوگوں کے رویّہ اور ان کی اقدار میں تبدیلی لائی جائے۔ لہذا خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق مسائل غیر معمولی طور پر پیچیدہ ہیں۔ یہ فقط ایک واحد مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سے مسائل کا مجموعہ ہے۔ چھوٹے خاندان کے نمونے کو اختیار کرنے کا باہمی تعلق معاشی سماجی اور نفسیاتی تبدیلیوں سے ہے اور ساتھ ہی ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے عام رقبہ میں سہولتوں کو فروغ دینے سے ہے۔ اس بات کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ اگر بہت سے ضابطوں والا نقطۂ نظر نہیں اپنایا جائے گا یعنی اگر ماہرینِ عمرانیات، سماجی ماہرینِ نفسیات، ماہرینِ اقتصادیات، مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین، انسانی برتاؤ کے ماہر سائنس دان، صحتِ عامّہ کے کارکن اور دیگر لوگ اپنے مشترکہ تجربے سے آبادی کے مسئلہ کو حل نہیں کریں گے تو زیلوہ کامیابی حاصل کرنا دشوار ثابت ہوگا۔

عورتیں مڈل، میٹریکولیشن یا یونیورسٹی کے معیار تک پڑھی ہوئی تھیں وہ بالترتیب ۵۶۰، ۴۲۶ اور ۲۶۰ بچوں کو جنم دیتی تھیں۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ جن ہندوستانی عورتوں کا تعلیمی معیار میٹریکولیشن یا اس سے زیادہ ہے وہ افزائشِ نسل کی کم صلاحیت رکھتی ہیں۔

شادی کے وقت عُمر کے اعتبار سے افزائشِ نسل کی صلاحیت

ہندوستان میں اس امر کا کافی ثبوت ملتا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو عورتیں دیر سے شادی کراتی ہیں، خاص طور سے ۱۹ برس کی عُمر کے بعد وہ ان عورتوں کی نسبت افزائشِ نسل کی کم صلاحیت رکھتی ہیں جو ذرا پہلے شادی کرالیتی ہیں۔ مثال کے طور پر میسور کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دیہاتی عورتیں جو ۱۴ سے ۱۷ برس کی عمر کے درمیان شادی کراتی ہیں وہ ۵۶۹ بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ لیکن جو ۱۸ سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان شادی کراتی ہیں وہ صرف ۴۶۷ بچوں کو جنم دیتی ہیں[۱]۔ موزمدار نے کانپور کا جو سروے کیا اس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ جو عورتیں پندرہ برس کی عمر میں شادی کراتی ہیں ۶۶۹ بچوں کو جنم دیتی ہیں جبکہ ۱۹ برس کے بعد شادی کرانے والی عورتیں صرف ۶۶۰ بچوں کو جنم دیتی ہیں[۲]۔ کلکتہ[۳]، مدراس[۴]، لکھنؤ اور دلی[۵] میں جو مطالعہ کیا گیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو عورتیں ۱۹ برس کے بعد شادی کراتی ہیں وہ تقریباً ۵۶۰ یا ۶۰ اتنے کم بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ہندوستان کے رجسٹرار جنرل کو بھی اس امر کا پتہ چلا کہ جو عورتیں ۱۸ برس کی عمر تک شادی کراتی ہیں ان میں ان عورتوں کی نسبت افزائشِ نسل کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے جو ۱۸ برس کی عمر کے بعد شادی کراتی ہیں[۶]۔ مثال کے طور پر پنجاب کے دیہات میں جو عورتیں ۱۸ برس سے کم عمر میں

---

[۱] اقوام متحدہ — "میسور کی آبادی کا مطالعہ" صفحہ ۱۱۹

[۲] ڈی۔ این۔ موزمدار "صنعتی شہر کے سماجی خط و خال" صفحہ ۱۶۱

[۳] ایس۔ بی۔ مکرجی "کلکتہ میں افزائشِ نسل کی صلاحیت کی شرحوں کا مطالعہ" صفحہ ۱۸

[۴] آر۔ بالکرشن۔ "مدراس شہر کے معاشی سروے سے متعلق رپورٹ" صفحہ ۱۰۵

[۵] ایس۔ این۔ اگروال۔ "شہروں کا رنگ اختیار کرنے والے چھ دیہات میں مرگ و پیدائش سے متعلق اعداد و شمار" صفحہ ۱۴ IX

[۶] ایس۔ پی۔ جین۔ "ہندوستانی عورتوں میں افزائشِ نسل کی قوت کے بعض اعداد و شمار تاکہ شادی کے وقت عمر پر ان کا اثر دکھایا جائے" صفحہ ۳

شادی کراتی ہیں ۵۰۰ بچوں کو جنم دیتی ہیں جبکہ ۱۸ سے ۲۲ برس تک کی عمر کے درمیان شادی کرانے والی عورتیں ۵۶۲ اور ۲۳ برس کی عمر کے بعد شادی کرانے والی عورتیں ۴۶۴ بچوں کو جنم دیتی ہیں حسبِ ذیل گوشوارہ میں تفاصیل پیش کی گئی ہیں۔

گوشوارہ ۱۷

شادی کے وقت عمر کے اعتبار سے افزائشِ نسل کی کل صلاحیت

ہندوستان کے رجسٹرار جنرل		اگروال		ڈرائیور	
شادی کے وقت عمر	بچوں کی تعداد	شادی کے وقت عمر	بچوں کی تعداد	شادی کے وقت عمر	بچوں کی تعداد
۱	۲	۳	۴	۵	۶
دیہی پنجاب					
۱۸ برس سے کم	۵۶۷	۱۵-۱۴	۷۶۷	۱۳ برس سے کم	۵۶۳
۲۲ - ۱۸	۵۶۲	۱۷-۱۶	۷۶۹	۱۷ - ۱۳	۴۶۱
۲۳ اور اس سے اوپر	۴۶۴	۱۹-۱۸	۷۶۹	۱۸ اور اس سے اوپر	۳۶۵
شہری پنجاب					
۱۸ برس سے کم	۶۶۰				
۲۲ - ۱۸	۵۶۵				
۲۳ اور اس سے اوپر	۴۶۷				

عمر کے اعتبار سے افزائشِ نسل کی صلاحیت

ہندوستان میں عورتیں جس عمر میں شادی کرتی ہیں وہ چونکہ بہت کم ہوتی ہے اس لیے وہ کمسنی ہی میں بچوں کو جنم دینا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک اوسط ہندوستانی عورت کے ہاں پہلا بچہ ۱۹ برس کی عمر میں پیدا ہوتا ہے اور دوسرا اور تیسرا بچہ اس کے ہاں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی عمر ۲۰ سے ۲۴ برس کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کے ہاں چوتھا اور پانچواں بچہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی عمر ۲۸ اور ۲۹ برس کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کا چھٹا بچہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی عمر ۳۰ سے ۳۴ برس کے

درمیان ہوتی ہے۔ اس عمر تک پہنچنے کے بعد وہ اپنی افزائش نسل کی صلاحیت کے ۱۰ میں سے ۸ حصوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکی ہوتی ہے اور اپنی افزائش نسل کی صلاحیت کے باقی دس اور پندرہ سال میں اپنے ساتویں اور آخری بچے کو جنم دیتی ہے ۔اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی عورتیں اپنے خاندان کی تعمیر اس وقت سے شروع کر دیتی ہیں جبکہ ان کی عمر کا گروپ ۱۵ سے ۱۹ برس تک ہوتا ہے۔ اور ان کی خاندان کو تعمیر کرنے کی رفتار جو عمر کے اس گروپ میں دھیمی ہوتی ہے اچانک تیز تر ہو جاتی ہے اور آئندہ پندرہ برس تک تیز رہتی ہے

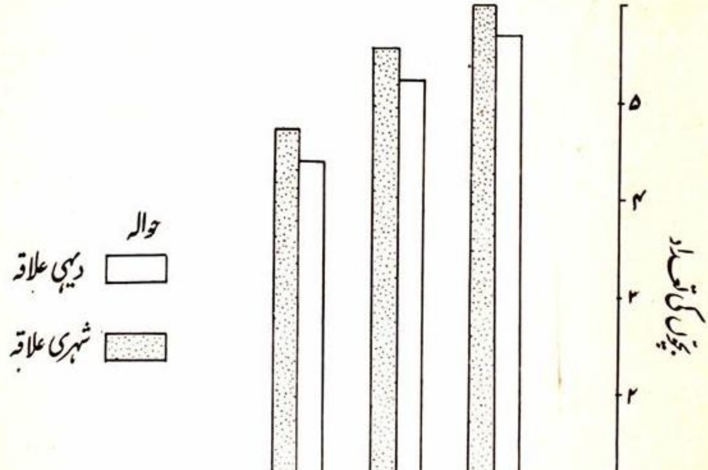

خاکہ نمبر ۵۔ دیہی اور شہری علاقے میں شادی کے وقت عمر کے اعتبار سے افزائش نسل کی کل صلاحیت

اس کے بعد تیزی سے اس کا زوال شروع ہوتا ہے اور آئندہ سالوں کے لیے دھیمی رفتار سے جاری رہتا ہے۔ یہ بات افزائش نسل کی صلاحیت کے خم کو سطح مرتفع والی شکل عطا کرتی ہے۔ بعض مغربی ممالک

میں افزائشِ نسل کی صلاحیت کا رجحان اس سے بالکل مختلف ہے جہاں افزائش نسل کی صلاحیت کو ۲۰ برس کی عمر سے شروع کر کے آہستہ آہستہ تعمیر کیا جاتا ہے اور یہ ۲۵ برس کی عمر میں اپنی بلندی کو پہنچتی ہے اور آئندہ پندرہ برس میں بتدریج کم ہوتی رہتی ہے۔ ہندوستانی عورتوں کی افزائش نسل کی صلاحیت کا سطح مرتفع جیسی شکل والا خم ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کے لیے اہم ترین مفہوم رکھتا ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شرح پیدائش میں واضح کمی اس وقت رونما ہوتی ہے جب شادی شدہ عورتیں مانع حمل تدابیر اپنی شادی کے فوراً بعد استعمال کرنا شروع کر دیتی ہیں اور یقینی طور پر ۲۵ برس کی عمر سے پہلے۔

ساتواں باب

ہندوستان میں شرحِ اموات

شرح اموات کو ہر ملک کی خوشحالی کا گوشوارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان ممالک میں جو معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ ہیں اور یہاں لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہے شرحِ اموات ایسے ممالک کی نسبت کم ہے۔ جو معاشی طور پر پس ماندہ ہیں۔ تقریباً ۱۵۰ سال ہوئے آج کے بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں شرح اموات ایک ہزار اشخاص کے پیچھے ۳۵ سے ۴۰ تک تھی، اور اب وہ اس قابل ہوئے ہیں کہ شرح اموات کو ایک ہزار اشخاص کے پیچھے سات آٹھ تک کم کر سکیں۔ ایسا اس لیے ممکن ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے لوگوں کے لیے مناسب اور قوت بخش خوراک، پینے کا خالص پانی، وسیع پیمانے پر اسپتال کی سہولتیں اور پانی کے نکاس کا بہتر نظام فراہم کیا اور بیماریوں پر قابو پانے کے مناسب اقدامات کیے۔ اس بات کا پتہ چلا ہے کہ بیرونی تحریکوں کا اور باہر سے درآمد کی جانے والی اور لوگوں پر وارد کی جانے والی تکنیکوں کا بھی شرح اموات پر تیزی سے اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا ترقی پذیر ممالک کے لیے قلیل مدت میں شرح اموات کو کافی حد تک کم کرنا ممکن ہو گیا ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک کو ایسا کرنے میں بہت سے دہائی سال لگے تھے۔ درحقیقت بہت سے ایشیائی ممالک مثلاً لنکا، کوریا، اور تائی وان (فارموسا) دوسری عالمی جنگ کے بعد ایک دہائی سال کی قلیل مدت میں کافی حد تک اپنی شرحِ اموات کم کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بیشتر ترقی پذیر ممالک میں کم شرحِ اموات، مزید کم ہوتی ہوئی شرحِ اموات اور بلند شرح پیدائش آبادی میں برق رفتار اضافہ کا اہم ترین سبب ہے۔ ہندوستان کے بارے میں یہ بات مشہور رہی ہے کہ یہاں اس صدی کی پہلی چوتھائی تک شرح اموات زیادہ بلند تھی۔ درحقیقت ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۱ء کے دہائی سالوں میں آبادی میں معمولی اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ بالترتیب قحط پڑے تھے اور انفلوئنزا کی وبا پھوٹ پڑی تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا کے دوران ڈیڑھ کروڑ سے زائد اشخاص لقمۂ اجل ہوئے تھے۔ اُس سال کے دوران سرکاری شرحِ اموات ایک ہزار کے پیچھے ۶۳ تک بڑھ گئی۔ جبکہ اس سال سے ایک سال پہلے شرحِ اموات ۳۳ تھی اور اُس سال کے ایک سال بعد ۳۶ تھی۔

ہندوستان میں آبادی میں اضافہ کی شرح کا تعین کرنے کے لیے شرحِ اموات کی اہمیت کے باوجود یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ ہندوستان میں اصل شرح اموات کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رجسٹریشن کا نظام بہت ہی ناقص ہے۔ اعداد و شمار گھٹا کر پیش کرنے کا عام رواج ہے[1] بمبئی (گجرات اور مہاراشٹر) مدراس مدھیہ پردیش اور پنجاب جیسے پردیشوں کے سوا باقی صوبوں میں پیدائشوں کی رجسٹریشن کا انتظام اچھا نہیں ہے[2]۔ جن پیدائشوں اور اموات کو رجسٹر نہیں کرایا جاتا ان کی تعداد یقینی طور پر ۳۰ فیصدی سے بھی زیادہ ہے[3]۔

ہندسرکار اس مسئلے پر توجہ دے رہی ہے اور اُس نے اِس معاملے پر ماہرین کا مشورہ حاصل کرنے کے لیے کئی کمیٹیاں قائم کی ہیں۔ آبادی سے متعلق مشاورتی کمیٹی کی سفارشات پر ہندوستان کے رجسٹرار جنرل نے تجرباتی بنیادوں پر ۱۹۵۳-۵۴ء میں پیدائشوں اور اموات سے متعلق نمونہ کی مردم شماری کرائی۔ لیکن یہ تجربہ پیدائش اور موت کی صحیح شرحوں کی رپورٹ پیش کرنے میں ناکام رہا۔ جس رپورٹ میں ۱۹۵۳-۵۴ء کے نمونے کے معائنوں کے نتایج درج کیے گئے ہیں اُس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ "نمونے کی مردم شماری میں اموات کے اندازے گھٹا کر پیش کیے گئے ہیں اور ان کی بناء پر شرح اموات میں کمی سے متعلق کوئی نتیجہ برآمد کرنا بہت خطرناک ثابت ہوگا"[4]

رجسٹر کرائی جانے والی اموات کی کم اور زیادہ تعداد کے باوجود وہ صریحی طور پر کمی کے رجحان کا انکشاف کرتی ہیں (گوشوارہ نمبر ۱۸) یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شرحِ اموات قلمبند کرنے میں اگر حال ہی میں واقعی

---

[1] آر۔ اے۔ گوپال سوامی کی کتاب "آبادی کے اعداد و شمار کی بہتری کے لیے ایک منصوبہ" جسے نئی دلّی میں ہندوستان کے رجسٹرار جنرل کے دفتر نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔ صفحات ۲ اور ۵۔

[2] بڑے صوبوں میں مدراس، بمبئی، مدھیہ پردیش اور پنجاب ہی چار ایسے صوبے ہیں جہاں رجسٹریشن کا نظام کافی اچھی طرح کام کرتا ہے اور زیادہ اعداد و شمار نہیں ہونے پاتے"۔ ہندوستان میں ۱۹۵۱ء کی مردم شماری سے متعلق رپورٹ۔ جلد نمبر ۱ حصہ نمبر I (ڈ) صفحہ ۹۔

[3] آبادی کے اعداد و شمار سے متعلق شملہ کی کمیٹی کی رپورٹ۔ ہندسرکار کے پریس نے جسے ۱۹۴۵ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۶۔

[4] "ہندوستان کی مردم شماری" ۱۹۵۵ء کی دستاویز نمبر ۲۔ "۱۹۵۲-۵۳ء میں پیدائشوں اور اموات سے متعلق نمونے کی مردم شماری" جسے نئی دلّی میں ہندوستان کے رجسٹرار جنرل کے دفتر نے ۱۹۵۵ء میں شائع کیا۔ صفحہ VII

تبدیلیاں ہوئی ہیں تو ان کا جھکاؤ بہتری کی طرف ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حالیہ اعداد و شمار پہلے اعداد و شمار سے زیادہ درست ہیں۔ ہندوستان میں شرح اموات کم ہو رہی ہے اس حقیقت پر شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دراصل شرحِ اموات میں کمی رجسٹر شدہ اعداد و شمار میں ظاہر کی گئی کمی کی نسبت زیادہ ہو سکتی ہے۔ رجسٹر شدہ معتبر اعداد و شمار چونکہ دستیاب نہیں ہیں لہٰذا مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین نے اموات کی شرحوں کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف تکنیکیں استعمال کی ہیں۔

گوشوارہ ۱۸

ہندوستان میں رجسٹر شدہ شرح اموات اور بچوں کی شرح اموات

۱۸۸۵ء سے ۱۹۶۰ء تک

مدت	شرح اموات	بچوں کی شرح اموات
۱	۲	۳
۱۸۸۵ سے ۱۸۹۰ تک	۲۶	-
۱۸۹۰ سے ۱۹۰۱	۳۱	-
۱۹۱۱ — ۱۹۰۱	۳۴	-
۱۹۱۵ — ۱۹۱۱	۳۰٫۲	۲۰۴
۱۹۲۰ — ۱۹۱۶	۱۸٫۲	۲۱۸
۱۹۲۵ - ۱۹۲۱	۲۶٫۳	۱۷۴
۱۹۳۰ - ۱۹۲۶	۲۴٫۶	۱۷۸
۹۳۵ - ۱۹۳۱	۲۳٫۶	۱۷۴
۱۹۴۰ - ۱۹۳۶	۲۲٫۲	۱۶۱
۱۹۴۵ - ۱۹۴۱	۱۹٫۵	۱۶۱
۱۹۵۰ ۱۹۴۶	۱۴٫۵	۱۳۲
۱۹۵۱	۱۴٫۴	۱۲۴
۱۹۵۱	۱۳٫۶	۱۱۶

۱	۲	۳
۱۹۵۳	۱۴۶۴	۱۱۹
۱۹۵۴	۱۲۶۵	۱۱۵
۱۹۵۵	۱۱۶۷	۱۰۰
۱۹۵۶	۱۱۶۴	۱۰۱
۱۹۵۷	۱۰۶۸	۱۰۱
۱۹۵۸	۱۱۶۲	۱۰۱
۱۹۵۹	۹۶۲	۱۰۱
۱۹۶۰	۹۶۲	۸۸

اسی قسم کے تین اندازے ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں (گوشوارہ ۱۹) موازنے کے لیے رجسٹر شدہ شرحِ اموات کے اعداد و شمار بھی گوشوارے میں پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ اس خیال کا اظہار کیا جا سکے

گوشوارہ ۱۹

ہندوستان میں اندازہ کے مطابق شرح اموات ۱۸۷۲ء سے ۱۹۶۱ء تک

مُدّت	اندازہ لگانے کا طریقہ			
	بقا کے دو شرح والا طریقہ	نیم مستحکم آبادی کا طریقہ	زندگی کا گوشوارہ	رجسٹر شدہ شرح اموات
۱	۲	۳	۴	۵
۱۸۷۲ء - ۱۸۸۱ء	-	-	۴۲۶۱	-
۱۸۸۱ء - ۱۸۹۱ء	-	-	۴۰۶۷	۲۶۶۰
۱۸۹۱ء - ۱۹۰۱ء	-	-	۴۲۶۳	۳۱۶۰
۱۹۰۱ء - ۱۹۱۱ء	۴۲۶۶	۴۶۶۸	۴۴۶۳	۳۴۶۰
۱۹۱۱ء - ۱۹۲۱ء	۴۷۶۲	۴۷۶۲	۴۰۶۳	۳۴۶۲
۱۹۲۱ء - ۱۹۳۱ء	۳۶۶۳	۴۰۶۴	۳۷۶۲	۲۵۶۵

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۳۱ء – ۱۹۴۱ء	۳۱۶۲	۳۳۶۵	۲۱۶۲	۲۳۶۰
۱۹۴۱ء – ۱۹۵۱ء	۲۷۶۴	۳۰۶۰	۳۰۶۸	۱۷۶۰
۱۹۵۱ء – ۱۹۶۱ء	۲۲۶۰	۲۰۶۹	۲۳۶۹	۱۱۶۸

کس حد تک پیدائش اور اموات کم رجسٹر کرائی جاتی ہیں۔ اموات کی شرحوں کے جن اعداد و شمار کا اندازہ لگایا گیا ہے وہ ایک دوسرے کے قریب تر ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ شرح اموات بلند تھی ۱۸۷۲ء سے ۱۹۲۱ء تک اتنی ہی رہی (۴۰ اور ۵۰ کے درمیان) اور اس وقت سے تقریباً نصف ہوگئی یعنی ۱۹۶۴ء میں ۱۸ کی پست سطح تک پہنچ گئی اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آئندہ ۲۰ سالوں میں یہ مزید ۵۰ فیصدی کم ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے ۹ کی سطح تک پہنچ جائے۔

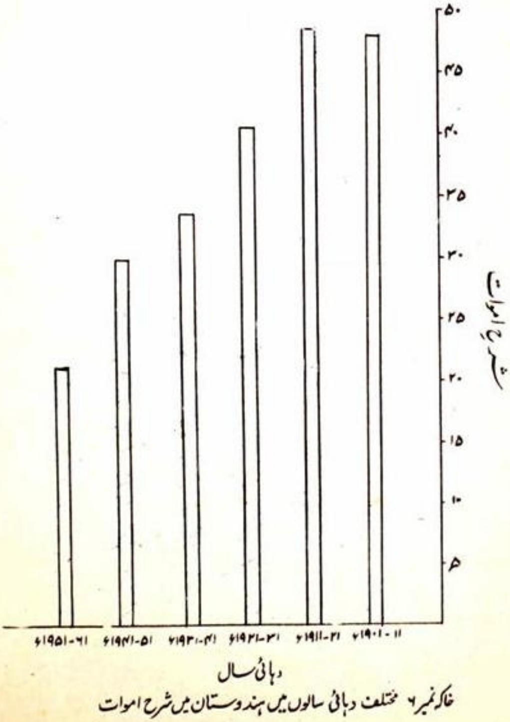

خاکہ نمبر ۶ مختلف دہائی سالوں میں ہندوستان میں شرح اموات

اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عام قاری کے سامنے آبادی سے متعلق مختلف مسائل اور اُن کے ساتھ ساتھ حقائق اور اعداد و شمار رکھے جائیں۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب لوگوں کو ان مسائل سے آگاہ کرنے میں مفید ثابت ہوگی جو اس وقت ملک کے لیے بھاری اہمیت رکھتے ہیں۔

بالکرشن کیسکر

گوشوارہ ۲۰ جسے ذیل میں درج کیا جارہا ہے حالیہ دو دہائی سالوں میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے اندازے کے مطابق شرحِ اموات پیش کرتا ہے۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ کیرل کے صوبے میں شرحِ اموات بہت کم ہے اور آسام میں بہت زیادہ ہے۔ اس بات کی جھلک پیدائش کے وقت عمر کی طوالت سے متعلق اعداد و شمار میں ملتی ہے۔ اس امر کے مواقع موجود ہیں کہ اگر کیرل میں نیا

گوشوارہ ۲۰

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اندازے کے مطابق شرحِ اموات اور پیدائش کے وقت زندگی کی اُمید (طوالت)

	شرحِ اموات		پیدائش کے وقت زندگی کی اُمید (سالوں میں)
	۱۹۴۱ء - ۱۹۵۱ء	۱۹۵۱ء - ۱۹۶۱ء	
۱	۲	۳	۴
آسام	۳۱٫۸	۲۶٫۹	۳۶٫۸
آندھرپردیش	۲۹٫۵	۲۵٫۲	۳۶٫۹
بہار	۲۶٫۵	۲۶٫۱	۳۷٫۶
گجرات	۲۹٫۹	۲۳٫۵	۴۰٫۰
کیرل	۱۸٫۰	۱۶٫۱	۴۸٫۲
مدھیہ پردیش	۳۸٫۵	۲۳٫۲	۴۰٫۶
مدراس	۲۲٫۸	۲۲٫۵	۳۹٫۸
مہاراشٹر	۲۴٫۹	۱۹٫۸	۴۵٫۲
میسور	۱۸٫۹	۲۲٫۲	۴۰٫۲
اُڑیسہ	۲۹٫۹	۲۲٫۹	۴۰٫۹
اُترپردیش	۲۷٫۲	۲۴٫۹	۳۸٫۹
پنجاب	۲۶٫۳	۱۸٫۹	۴۷٫۵
راجستھان	۲۷٫۲	۱۹٫۴	۴۶٫۸

۱	۲	۳	۴
مغربی بنگال	۲۸۶۶	۲۰۶۵	۴۴۶۳
ہندوستان	۲۷۶۴	۲۲۶۸	۴۱۶۲

پیدا ہونے والا بچہ ۴۸ برس تک زندہ رہے گا تو وہ آسام میں غالباً صرف ۳۰ برس تک زندہ رہے گا اس فرق

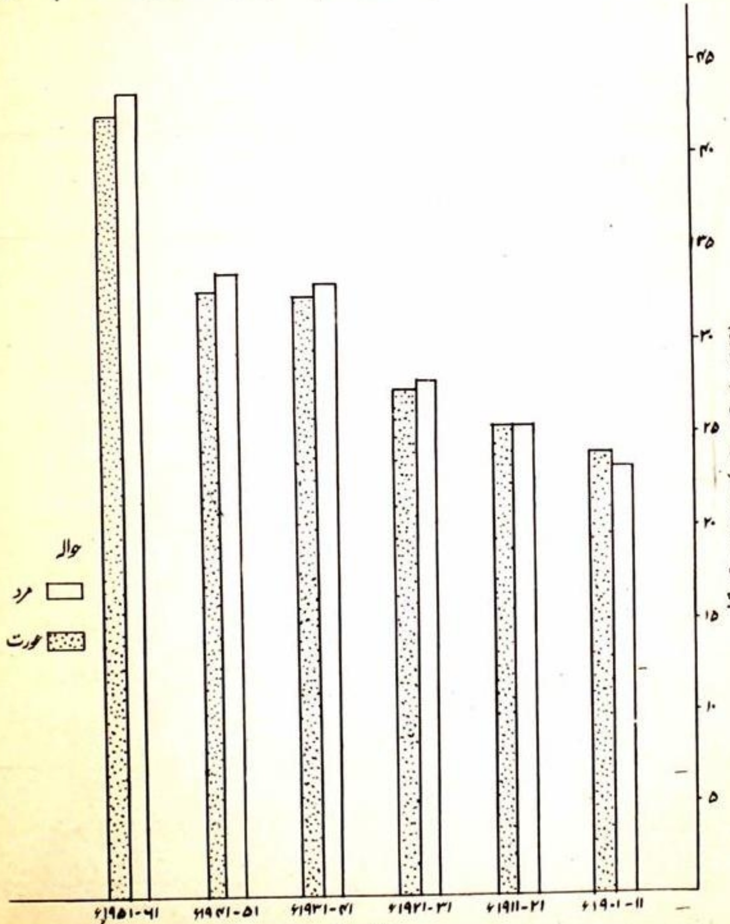

خاکہ نمبر، مختلف دہائی سالوں میں مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے پیدائش کے وقت طوالت عمر کا امکان

کی وجہ یہ ہے کہ آسام میں موت واقع ہونے کے اتفاقات زیادہ ہیں۔ گوشوارہ ۲۱ میں گزشتہ ۹ دہائی سالوں میں ہندوستان کے مردوں اور عورتوں کے لیے عمر کی طوالت کے امکانات پیش کیے جارہے ہیں۔ ۱۸۷۲ء اور ۱۹۲۱ء کے عرصہ کے دوران پیدائش کے وقت طوالتِ عمر کے امکان میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ بہت کم تبدیلی ہوئی ہے لیکن ۱۹۲۱ء اور ۱۹۶۱ء کے درمیان ۵۰ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ اس امر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں شرحِ اموات کم ہورہی ہے۔

گوشوارہ ۲۱

ہندوستان میں پیدائش کے وقت زندگی کی امید (طوالت) کا امکان ۱۸۷۲ء سے ۱۹۶۱ء تک

سال	پیدائش کے وقت طوالتِ عمر کا امکان (سالوں میں)	
	مرد	عورت
۱	۲	۳
۱۸۷۲-۸۱ء	۲۳٫۶۷	۲۵٫۵۸
۱۸۸۱-۹۱ء	۲۴٫۵۹	۲۵٫۵۴
۱۸۹۱-۱۹۰۱ء	۲۳٫۶۳	۲۳٫۹۶
۱۹۰۱-۱۱ء	۲۲٫۵۹	۲۳٫۳۱
۱۹۱۱-۲۱ء	۲۴٫۸۰	۲۴٫۷
۱۹۲۱-۳۱ء	۲۶٫۹۱	۲۶٫۵۶
۱۹۳۱-۴۱ء	۳۲٫۰۹	۳۱٫۳۷
۱۹۴۱-۵۱ء	۳۲٫۴۵	۳۱٫۶۶
۱۹۵۱-۶۱ء	۴۱٫۸۹	۴۰٫۵۵

ہندوستان میں شیرخوار بچے، بچّہ اور ماں کی شرحِ اموات ابھی تک بلند ہے۔ بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں پیدا ہونے والے ایک ہزار بچوں میں سے پہلے سال ۲۰ سے ۵۰ تک بچے مرجاتے ہیں لیکن ہندوستان میں مرنے والے بچوں کی تعداد چار گنا یا پانچ گنا زیادہ ہے اور ۱۵۰ اور ۲۰۰ کے درمیان ہے نمونے کے

قومی سروے کے ۱۴ویں دور کے مطابق (۵۹-۱۹۵۸ء) ننھے بچوں کی شرح اموات ایک ہزار لڑکوں کے پیچھے ۱۵۲ تھی اور ایک ہزار لڑکیوں کے پیچھے ۱۳۸ تھی۔ اور اوسط شرح اموات ۱۴۶ ہے۔ ۳۱-۱۹۲۱ء کے دہائی سال میں یہ ۲۴۰ تھی اور ۵۱-۱۹۴۱ء کے دہائی سال میں ۱۸۳ تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گذشتہ ۴۰ برس کے دوران شیر خوار بچوں کی شرحِ اموات اگرچہ کم ہو چکی ہے لیکن پھر بھی بہت زیادہ ہے۔

پہلے سال جو اموات ہوتی ہیں ان میں ۶۰ فیصد بچے پہلی سہ ماہی میں مرجاتے ہیں۔ ایک بار پھر جو بچے پہلے مہینے میں مرتے ہیں ان میں ۶۰ فیصدی بچے پہلے ہفتے میں مرجاتے ہیں، ۲۵ فیصدی بچے دوسرے ہفتے میں مرتے ہیں اور باقی بچے آخری دو ہفتوں میں مرجاتے ہیں۔[۱] ابتدائی شیر خوارگی کے عالم میں بچوں کی اموات زیادہ تر پیدائشی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مثلاً پیدائش کے وقت چوٹ لگنے سے، خراب غذا کھانے سے، نرخرے کی نالی میں ورم اور نمونیا سے، اسہال سے اور پیدائش کے وقت جسمانی نقص سے۔ جو اموات بعد کے مہینوں میں واقع ہوتی ہیں وہ چھوت کی بیماریوں اور طفیلی کیڑوں کی بیماریوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے شیر خوار لڑکوں کے درمیان اموات شیر خوار لڑکیوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ جب مائیں جوان ہوتی ہیں (۲۰ برس کی عمر سے کم) یا مقابلتہً ذرا سن رسیدہ ہوتی ہیں یعنی ۳۴ برس کی عمر سے اوپر ہوتی ہیں تو شیر خوار بچوں کی اموات زیادہ ہوتی ہیں۔ اس وقت بھی بچوں کی اموات زیادہ ہوتی ہیں جب بار بار اور تیزی سے حمل ٹھہرتا ہے۔ ایک سے چار برس تک کی عمر کے گروپ میں ایک ہزار بچوں کے پیچھے ۸۰ بچے مرجاتے ہیں۔ جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں ایک ہزار بچوں کے پیچھے صرف ۱۲ بچے مرتے ہیں۔ بچے پیدا کرنے والی عمر کی عورتوں کے درمیان بھی شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ ۱۵ سے ۴۵ برس کی عمر کی ایک ہزار عورتوں کے پیچھے ۳۰۰ سے ۴۰۰ تک عورتیں مرجاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کو جنم دینے

۱؎ ایس۔ این۔ اگروال کی کتاب "شہروں کے رنگ میں ڈھلنے والے چھ دیہاتوں میں مرگ و پیدائش کا مطالعہ" جسے دلی کے معاشی نشوونما کے ادارے نے ۱۹۶۴ء میں شائع کیا۔ چھٹا باب (مموگراف) نمونے کے قومی سروے کے ۱۴ویں دور کے مطابق زندگی کے پہلے مہینے میں شیر خوار بچوں کی کُل اموات کے ۴۵ فیصدی حصے کے برابر ہوتی ہیں اور ان میں سے ۲۵ فیصدی اموات پہلے ہفتے میں ہوتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو اموات پہلے مہینے میں رونما ہوتی ہیں ان میں سے ۵۶ فیصدی اموات پہلے ہفتے کے دوران ہوتی ہیں۔

سے پہلے اور بچے کو جنم دے چکنے کے بعد ان کی مناسب ڈھنگ سے دیکھ بھال نہیں کی جاتی۔ اسپتال کی سہولتوں میں بہتری اور زیادہ مناسب اور قوت بخش غذا کے باعث یہ توقع کی جاتی ہے کہ شیر خوار بچے، بچے اور ماں کی شرحِ اموات میں مزید کمی ہوگی۔

مختلف اسباب کی بناء پر اموات

ہندوستان میں دیگر اسباب کی بنا پر اموات کے واقع ہونے سے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے رجسٹر شدہ اموات کے اعداد و شمار بہت ناکافی ہیں اور وہ اس لحاظ سے تو اور بھی ناکافی ہیں کہ اموات کن اسباب کی بنا پر ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام علاقے کے اعداد و شمار مناسب ڈھنگ سے جمع نہیں کیے جاتے ہیں اور تمام اموات کی اطلاع نہیں دی جاتی ہے۔ لہٰذا یہی مناسب ہوگا کہ مختلف اسباب کی بنا پر شرح اموات کی سطح کو جاننے کے لیے مطبوعہ اعداد و شمار استعمال نہ کیے جائیں۔ بہرکیف ان کو ایک خاص مدت کے دوران مختلف بیماریوں میں زمانہ کے رجحان یا شرح اموات میں کمی کے فیصد تناسب کا پتہ چلانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بخار

بخار جس میں ملیریا بھی شامل ہے ہمارے ملک میں موت کا سب سے بڑا سبب ہے ۳۱-۱۹۲۱ء اور ۴۱-۱۹۳۱ء کے دہائی سالوں میں ہر دس میں سے چھ اموات بخاروں کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ ۱۹۶۲ء میں اس قسم کی اموات کا تناسب ہر دس میں سے چار رہ گیا۔

گوشوارہ ۲۲

منتخب بیماریوں کے باعث رجسٹر شدہ شرحِ اموات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۲ء تک

سال	ملیریا	ہیضہ	چیچک	سانس کی بیماریاں
۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۴۷ء	۷٫۳	۰٫۴	۰٫۱	۱٫۵
۱۹۴۸ء	۵٫۸	۰٫۷	۰٫۲	۱٫۴
۱۹۴۹ء	۶٫۴	۰٫۳	۰٫۱	۱٫۳

۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۵۰ء	۴٫۱	۰٫۴	۰٫۳	۱٫۲
۱۹۵۱ء	۲٫۶	۰٫۲	۰٫۴	۱٫۴
۱۹۵۲ء	۲٫۲	۰٫۲	۰٫۲	۱٫۴
۱۹۵۳ء	۰٫۹	۰٫۴	۰٫۱	۱٫۴
۱۹۵۴ء	۱٫۴	۰٫۱	۰٫۱	۱٫۱
۱۹۵۵ء	۱٫۴	۰٫۱	۰٫۱	۱٫۳
۱۹۵۶ء	۰٫۵	۰٫۱	۰٫۱	۱٫۱
۱۹۵۷ء	۱٫۲	۰٫۲	۰٫۲	۱٫۱
۱۹۵۸ء	۰٫۷	۰٫۱	۰٫۴	۱٫۱
۱۹۵۹ء	۰٫۳	۰٫۱	۰٫۱	۰٫۵
۱۹۶۰ء	۰٫۴	۰٫۱	۰٫۱	۰٫۵
۱۹۶۱ء	۰٫۴	۰٫۱	۰٫۱	۰٫۶
۱۹۶۲ء	۰٫۳	۰٫۱	۰٫۱	۰٫۹

نوٹ: یہ اعداد و شمار زیادہ معتبر نہیں ہیں اور ان کو شرحِ اموات کی سطح کو جاننے کے بجائے رجحان دیکھنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء میں ملک گیر پیمانے پر ملیریا پر قابو پانے کا پروگرام شروع کیا گیا اور ۱۹۵۸ء میں اسے ملیریا کے انسداد کے پروگرام میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ملیریا کے باعث جو رجسٹر شدہ شرحِ اموات ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے ۷٫۳ تھی وہ ۱۹۶۲ء میں گھٹا کر ۰٫۳ کر دی گئی ہے یعنی ۲۴ گنا کم ہو گئی ہے۔ (۲۲ اور ۲۳ نمبر کے گوشوارے)

ہیضہ

گذشتہ صدی کے دوران ہندوستان میں ہیضہ ایک عام بیماری تھا لیکن حالیہ سالوں میں اس بیماری کا زور بہت کم ہو گیا ہے۔ اس بیماری کے باعث رجسٹر شدہ شرحِ اموات جو ایک ہزار کی آبادی کے پیچھے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۴ء کے عرصے کے دوران ۱٫۶ فیصدی تھی وہ ۶۳ - ۱۹۴۸ء کی مدت کے دوران

بہت کم ہوکر ۰٫۲ رہ گئی یعنی آٹھ گنا کم ہو گئی (گوشوارہ نمبر ۲۲)۔ وہ صوبے جہاں اس بیماری کا زور اب بھی زیادہ ہے یہ ہیں: مغربی بنگال، بہار، اڑلیسہ، آندھر پردیش، مدراس، میسور، مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر۔

گوشوارہ ۲۳

مختلف اسباب کی بنا پر کل اموات کا فیصد تناسب ۱۹۲۱ء سے ۱۹۶۲ء تک

سبب	۱۹۲۱-۳۱ء	۱۹۳۱-۴۱ء	۱۹۴۱-۵۱ء	۱۹۶۰ء	۱۹۶۲ء
۱	۲	۳	۴	۵	۶
بُخار	۵۹٫۱	۵۸٫۴	۵۸٫۱	۵۸٫۱	۳۸٫۴
ہیضہ	۳٫۶	۲٫۴	۱٫۱	۱٫۸	۰٫۳
چیچک	۱٫۲	۱٫۱	۴٫۰	۰٫۹	۱٫۰
پلیگ	۲٫۶	-	۰٫۳	-	-
پیچش اور اسہال	۳٫۶	۴٫۲	۴٫۴	۰٫۵	۵٫۱
سانس کی بیماریاں	دستیاب نہیں	۸٫۲	۸٫۲	۴٫۱	۸٫۸
دیگر بیماریاں	دستیاب نہیں	۲۵٫۸	۲۳٫۹	۳۴٫۶	۴۶٫۴
تمام اسباب	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰

چیچک

ہندوستان میں چیچک صحت کو خطرے میں ڈالنے والی ایک اور بیماری ہے۔ اس کا ایک چکر بندھا ہوا ہے اور یہ بیماری ہر پانچ سات سال کے بعد پھوٹتی ہے۔ ۱۹۵۹ء میں ہند سرکار نے چیچک اور ہیضے کے انسداد کا پروگرام شروع کیا اور مارچ ۱۹۶۵ء تک ہند میں رہنے والے تقریباً ۰۰ فیصدی لوگوں کے ٹیکے لگائے گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۱-۵۱ء کے دہائی سال میں جبکہ چیچک کے باعث کُل اموات میں سے ۴ فیصد اموات ہوتی تھیں، ۱۹۶۲ء میں ایسی اموات کا فیصد تناسب صرف ایک تھا (گوشوارہ نمبر ۲۳)

پلیگ

گذشتہ آٹھ سال کے دوران یہ بیماری مسلسل کم ہو رہی ہے ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۸ء تک کے عرصے کے

دوران پلیگ کے باعث جبکہ ایک لاکھ کی آبادی کے پیچھے ۱۸۲ اموات ہوتی تھیں. ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۴ء تک کی مدت کے دوران ایک لاکھ کی آبادی کے پیچھے صرف ایک موت ہوئی. ہندوستان کے جن علاقوں میں پلیگ اب بھی پائی جاتی ہے اُن کے نام یہ ہیں: چتوڑ (آندھرپردیش) سیلم (مدراس) اور کولار (میسور).

سانس کی بیماریاں

سانس کی بیماریاں جن میں تپ دق بھی شامل ہے ہمارے ملک میں تمام اموات کے تقریبًا ۱۰ فیصدی حصے کے برابر اموات کی ذمہ دار ہیں. ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں ۶۰ لاکھ اشخاص تپ دق میں مبتلا ہیں اور ہر سال اس مرض کے باعث تقریبًا ۵ لاکھ اشخاص مر جاتے ہیں. اس طرح ایک ہزار مریضوں کے پیچھے شرحِ اموات ۱۰۰ ہے. بہرکیف ۵۸-۱۹۵۵ء میں کیے گئے سروے کے مطابق اس بات کا پتہ چلا ہے کہ ہندوستان میں تپ دق کے باعث شرحِ اموات ایک ہزار مریضوں کے پیچھے ۱۲ اور ۲۵ کے درمیان بدلتی رہی ہے. یہ اعداد و شمار زیادہ معتبر معلوم ہوتے ہیں. اس بات کا پتہ چلا ہے کہ ۳۵ برس اور اس سے اوپر کی عمر کی عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے درمیان یہ بیماری زیادہ پھیلی ہوئی ہے. ملک گیر پیمانے پر بی.سی.جی کے ٹیکے لگانے کی مہم کے دوران تپ دق کے لیے ۱۲ کروڑ ۶۰ لاکھ اشخاص کا معائنہ کیا گیا اور جون ۱۹۶۴ء تک ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ اشخاص کے ٹیکے لگائے گئے.

فلیریا

ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں فلیریا کی بیماری والے جانے پہچانے علاقوں میں ۱۲ کروڑ ۲۰ لاکھ اشخاص رہتے ہیں. اُتر پردیش، بہار، آندھر پردیش، مدراس اور مغربی بنگال میں یہ بیماری بہت پھیلی ہوئی ہے. ہندسرکار نے ۱۹۵۵ء میں وسیع پیمانے پر ملک میں فلیریا کی بیماری پر قابو پانے کا ابتدائی کام شروع کیا. اُس وقت سے ان علاقوں میں فلیریا کے پھیلاؤ میں واضح کمی ہوئی ہے جہاں اس بیماری کے کیڑوں کے پہل روپوں کے خلاف اقدامات کیے گئے ہیں.

تراکوما (آنکھ کے پپوٹوں پر دانے نکلنے کی بیماری)

تراکوما بیماری جزوی اور مکمل اندھے پن کا سب سے بڑا سبب ہے. یہ بیماری پنجاب، راجستھان

اُتر پردیش اور گجرات میں بہت زیادہ ہے۔ ہند سرکار نے اکتوبر ۱۹۵۶ء میں صحت کے عالمی ادارے کی امداد سے تراکوما کے سلسلے میں ایک ابتدائی منصوبہ قائم کیا اور مارچ ۱۹۶۳ء میں تراکوما بیماری پر قابو پانے کا قومی پروگرام شروع کیا۔ متذکرہ بالا پانچ صوبوں میں زیادہ توجہ دی جا رہی ہے جہاں یہ بیماری ایک اندازے کے مطابق ۵۰ فیصدی سے بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔

کوڑھ

کوڑھ کی بیماری آندھرا پردیش، بہار، مدراس، اڑیسہ اور اتر پردیش میں بہت پائی جاتی ہے۔ کوڑھ کی بیماری کی روک تھام سے متعلق اسکیم کے تحت جن لوگوں کا معائنہ کیا گیا ان میں یہ بات دیکھی گئی کہ ان میں اس بیماری کی شرح ایک سو اشخاص کے پیچھے ایک سے ذرا اوپر تھی۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۵ لاکھ اشخاص کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہیں اور ان میں ۲۰ فیصدی مریض ایسے ہیں جن کی چھوت سے دوسروں کو بیماری لگ جاتی ہے۔

مغربی ممالک کے معیاروں کے اعتبار سے ۱۹۶۴ء میں ایک ہزار کے پیچھے ۱۸ کی شرح اموات اب بھی بہت زیادہ ہے اور یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ شرح اموات ۱۹۸۱ء تک ۹ رہ جائے گی۔ اس وقت شیر خوار بچوں کی شرحِ اموات ایک ہزار کے پیچھے تقریباً ۴۰ اور ایک سے چار برس کی عمر کے بچّوں کی شرحِ اموات ۱۵ ہو گی۔ بچّے پیدا کرنے کی عمر والی عورتوں کی شرحِ اموات بھی کم ہو جائے گی اور بوڑھے زیادہ دیر تک زندہ رہیں گے۔ قصّہ کوتاہ زیادہ لوگ زیادہ دیر تک زندہ رہیں گے۔ لہٰذا اگر پیدائشوں کی تعداد کو کم کرنے کے لیے سنجیدگی سے کوششیں نہ کی گئیں تو بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے خوراک اور کپڑے مہیا کرنے کا مسئلہ کئی گنا زیادہ دشوار ہو جائے گا۔ ہندوستان میں شرحِ اموات کو کم کرنے کا مسئلہ ناقابلِ تنسیخ طور پر افزائشِ نسل کی روک تھام کے مسئلہ سے وابستہ ہے۔

آٹھواں باب

ہندوستان میں شہری علاقوں کا فروغ

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے وقت ۴۳ کروڑ ۹۰ لاکھ کی کل آبادی میں سے تقریباً ۷ کروڑ ۹۰ لاکھ لوگ ہندوستان کے شہری علاقوں میں رہتے ہوئے پائے گئے تھے۔ ہندوستان کی مردم شماریاں ایسے علاقوں کی شہری علاقوں کے طور پر درجہ بندی کرتی رہی ہیں جن کی آبادی ۵ ہزار اور اس سے زیادہ تھی اور جو بعض شہری خصوصیات رکھتے تھے۔ لیکن ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں شہری علاقے کی زیادہ کڑی تعریف اپنائی گئی اور صرف ان علاقوں کو شہری علاقہ کہا گیا جہاں تین چوتھائی آبادی کا انحصار زراعت پر نہیں تھا۔ یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس بات نے شہری آبادی کو تقریباً ۴۷ لاکھ تک کم کر دیا جو بصورت دیگر ۸ کروڑ ۳۷ لاکھ ہوتی یا کل آبادی کا ۱۹٫۰۵ فیصد حصہ ہوتی۔ حسب ذیل گوشوارہ گذشتہ آٹھ سالوں میں شہری آبادی کی کل میزان اور فیصد تناسب پیش کرتا ہے۔

گوشوارہ ۲۴

ہندوستان میں کل آبادی اور آبادی کا فیصد تناسب ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

سال	کل شہری آبادی (دس لاکھ میں)	کل آبادی کے اعتبار سے شہری آبادی کا فیصد تناسب	ہر دہائی سال میں اضافہ (دس لاکھ میں)	ہر دہائی سال میں فیصد اضافہ
۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۰۱ء	۲۵٫۸۵	۱۰٫۸	-	-
۱۹۱۱ء	۲۵٫۹۴	۱۰٫۳	۰٫۰۹	۰٫۳۵
۱۹۲۱ء	۲۸٫۰۹	۱۱٫۲	۲٫۱۵	۸٫۲۹
۱۹۳۱ء	۳۳٫۴۶	۱۲٫۰	۵٫۳۷	۱۹٫۱۲
۱۹۴۱ء	۴۴٫۱۵	۱۳٫۹	۱۰٫۶۹	۳۱٫۹۵
۱۹۵۱ء	۶۲٫۴۴	۱۷٫۳	۱۸٫۲۹	۴۱٫۴۳

فہرست

صفحہ

دیباچہ	۵
پہلا باب : آبادی سے متعلق نظریات	۸
دوسرا باب : کم ترقی یافتہ ممالک کی آبادی میں اضافہ اور معاشی ترقی	۱۵
تیسرا باب : ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کی رفتار	۲۰
چوتھا باب : ہندوستان میں شادی کے وقت عمر	۳۳
پانچواں باب : ہندوستان میں افزائشِ نسل کے لیے مدّت	۴۰
چھٹا باب : ہندوستان میں افزائشِ نسل کی صلاحیت	۴۷
ساتواں باب : ہندوستان میں شرحِ اموات	۵۴
آٹھواں باب : ہندوستان میں شہری علاقوں کا فروغ	۶۸
نواں باب : ہندوستان کی آبادی کی آئندہ نشوونما	۷۵
دسواں باب : آبادی میں اضافہ اور خوراک کی سپلائی	۸۵
گیارھواں باب : تعلیمی منصوبہ بندی اور آبادی میں اضافہ	۹۱
بارھواں باب : ہندوستان میں آبادی میں اضافہ اور معاشی ترقی۔	۹۸
تیرھواں باب : ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام	۱۰۲
چودھواں باب : خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق توسیعی نظریہ	۱۱۹
پندرھواں باب : ہندوستان میں نس بندی کے آپریشن	۱۳۸
سولھواں باب : رحم کے اندر لگائی جانے والی مانعِ حمل اشیاء	۱۴۲
سترھواں باب : شادی کے وقت عورت کی عمر میں اضافہ کا شرحِ پیدائش پر اثر	۱۵۰
اٹھارواں باب : آئندہ نظریہ۔	۱۵۴

۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۶۱ء	۸۳۶۶۷*	۱۹۶۱*	۲۱۶۲۳*	۳۴۶۰*

اوپر درج کیے گئے گوشوارے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ۳۱-۱۹۲۱ء کے دہائی سال کے بعد شہری آبادی میں تیزی سے اضافہ شروع ہو گیا اور اس اضافے کی زیادہ سے زیادہ حد ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سال میں حاصل کی گئی۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ

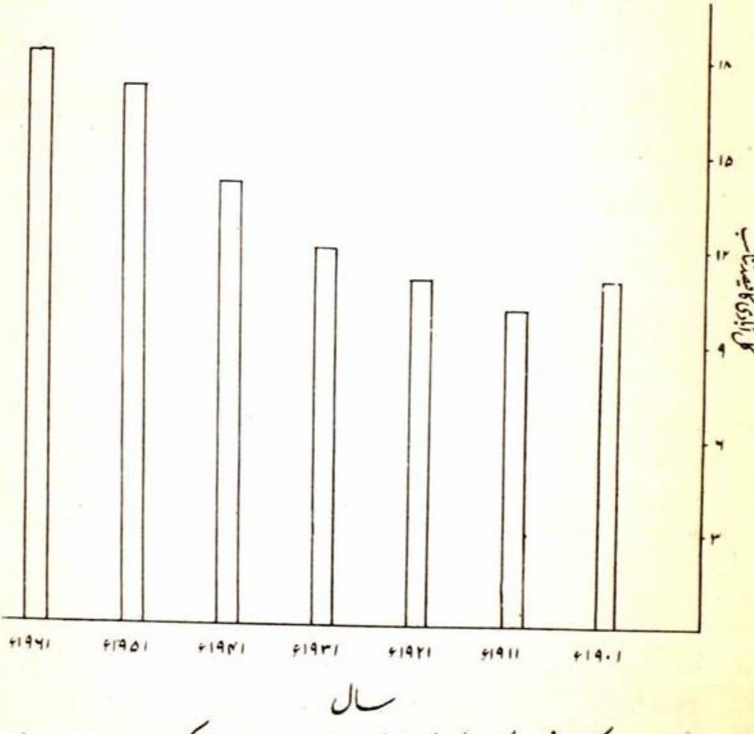

خاکہ نمبر ۸ شہری آبادی کا فیصد تناسب ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

* شہری علاقے کی ابتدائی تعریف کے مطابق ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کو ڈھالنے کے بعد ردّو بدل کے ساتھ پیش کیے گئے اعداد و شمار

چالیس سال کے دوران یعنی ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۱ء کے عرصے کے دوران شہری آبادی میں کل اضافہ ایک کروڑ ۸۲ لاکھ تھا جبکہ ۵۱-۱۹۴۱ء کی واحد دہائی میں کل اضافہ ایک کروڑ ۸۹ لاکھ تھا۔ ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سال میں اضافہ اور بھی زیادہ تھا یعنی ۲ کروڑ ۱۲ لاکھ ۳۰ ہزار تھا۔ جو اتفاق سے ۲۱-۱۹۱۱ء کے دہائی سال میں کل اضافہ سے تقریباً دس گنا زیادہ تھا۔ بہرکیف ۵۱-۱۹۴۱ء کے دہائی سال میں زیادہ سے زیادہ فیصد اضافہ ۴۱٫۴۲ تھا جبکہ ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سال میں ۲۶٫۴۰ تھا۔ تاہم شہری آبادی میں ۵۱-۱۹۴۱ء کا کچھ اضافہ ملک کی تقسیم ہو جانے پر بھاری تعداد میں مہاجرین کی آمد کی وجہ سے ہوا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ اضافہ ۶٫۶۲ فیصد کے لگ بھگ تھا۔ اگر اس اضافہ کو نکال دیا جائے تو فیصد اضافہ صرف ۳۵٫۵ رہ جاتا ہے۔ لہٰذا ہر دس برس کے بعد شہری آبادی میں گزشتہ تین دہائی سالوں کے دوران فیصد اضافہ ایک دوسرے کے قریب تر رہا ہے۔

رواج کے مطابق ہندوستانی مردم شماریوں میں آبادی کی جسامت پر مبنی حسب ذیل چھ درجوں میں قصبوں کو بانٹا گیا ہے۔

۱۔ ایک لاکھ اور اس سے اوپر
۲۔ ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ تک
۳۔ ۲۰ ہزار سے ۵۰ ہزار تک
۴۔ ۱۰ ہزار سے ۲۰ ہزار تک
۵۔ ۵ ہزار سے ۱۰ ہزار تک
۶۔ ۵ ہزار سے کم

ہندوستانی مردم شماری میں ایک لاکھ یا اس سے اوپر کی آبادی والے شہری علاقہ کو شہر کہا جاتا ہے اور ایک لاکھ یا اس سے اوپر کی آبادی والے شہروں سے ملتے جلتے شہری علاقوں کو "قصبوں کا گروپ" کہا جاتا ہے۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے وقت شہر اور قصبوں کے گروپ شہری آبادی کے ۴۸ فیصدی حصے پر مشتمل تھے تقریباً ۱۲ فیصدی شہری آبادی ایسے شہروں میں رہتی ہوئی پائی گئی جن کی آبادی ۵۰ ہزار سے ۹۹,۹۹۹ کے درمیان تھی اور ۲۰ فیصدی آبادی ایسے قصبوں میں رہتی تھی جن کی آبادی ۲۰ ہزار اور ۴۹,۹۹۹ کے درمیان تھی۔ لہٰذا ہندوستان کی تین چوتھائی سے کچھ ہی زیادہ شہری آبادی ۲۰ ہزار اور اس سے زیادہ آبادی والے شہروں اور قصبوں میں رہتی ہے۔ ہندوستان میں ۱۰۷ شہر ایسے ہیں جن کی آبادی ایک لاکھ اور ایک لاکھ سے

اوپر ہے۔ ۱۲۹ ایسے قصبے ہیں جن کی آبادی ۵۰ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہے اور ۵۱۸ قصبے ایسے ہیں جن کی آبادی ۲۰ ہزار اور ۵۰ ہزار کے درمیان ہے۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مہاراشٹر کی شہری آبادی سب سے زیادہ ہے یعنی ۲۸٫۲ فیصدی ہے اور اڑیسہ کی شہری آبادی سب سے کم ہے یعنی ۶٫۳ فیصدی ہے۔ مہاراشٹر، مدراس، گجرات اور مغربی بنگال کے علاوہ تین اور صوبے ایسے ہیں جن کی ایک چوتھائی آبادی شہری آبادی ہے۔ حسب ذیل گوشوارے میں تفصیلات پیش کی گئی ہیں:۔

گوشوارہ ۲۵

مختلف صوبوں میں شہری آبادی کا فیصد تناسب ۱۹۶۱ء

صوبہ	شہری آبادی کا تناسب	صوبہ	شہری آبادی کا تناسب
۱	۲	۱	۲
مہاراشٹر	۲۸٫۲	جموں و کشمیر	۱۶٫۶
مدراس	۲۶٫۷	راجستھان	۱۶٫۳
گجرات	۲۵٫۸	کیرل	۱۵٫۱
مغربی بنگال	۲۴٫۶	مدھیہ پردیش	۱۴٫۳
میسور	۲۲٫۳	اُتر پردیش	۱۲٫۹
پنجاب	۲۰٫۱	بہار	۸٫۴
آندھرا پردیش	۱۷٫۴	آسام	۷٫۷
اڑیسہ	۶٫۳		

اگر ۲۰ ہزار یا اس سے زیادہ اشخاص والے قصبوں کی آبادی کو "موثر شہری آبادی" کہا جائے اور ۲۰ ہزار سے کم اشخاص والے قصبوں کی آبادی کو "نیم شہری آبادی" کہا جائے تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ۱۹۳۱-۴۱ء کے دوران مؤثر شہری آبادی میں ۴۱٫۷ فیصدی اور ۱۹۵۱-۶۱ء کے دوران ۳۲٫۳۴ فیصدی کا اضافہ ہوا۔ اسی طرح ۱۹۳۱-۴۱ء کے دہائی سال میں نیم شہری آبادی ۱۲٫۲ فیصدی اور ۱۹۴۱-۵۱ء کے

دہائی سال کے دوران ۲۶ء۴۴ فیصدی کی شرح سے بڑھی اور ۱۹۵۱-۶۲ء کے سالوں کے دوران اس میں صرف ۱۶ء۴۴ فیصدی کا اضافہ ہوا۔ لہٰذا ۱۹۵۱-۶۱ء کے دہائی سال میں ۱۹۴۱-۵۱ء کے دہائی سال کی نسبت شہری آبادی میں اضافہ کی رفتار دھیمی تھی۔ اس بات پر بہت سے لوگوں کو حیرانی ہوئی ہے۔ چونکہ ۱۹۵۱-۶۱ء کے دہائی سالوں میں برق رفتاری سے صنعت بندی کا کام ہوا۔ شہری آبادی میں اضافہ کی رفتار کے سست ہو جانے سے متعلق اس قسم کے اور ایسے کچھ اور اسباب پیش کئے گئے ہیں کہ صنعت بندی کی رفتار سست تھی۔ دیہی علاقوں میں معاشی حالت بہتر ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیہات سے شہروں میں آبادی کے انتقال کی رفتار دھیمی ہو گئی شہری علاقوں میں مزدوروں کی تعداد میں بھاری اضافہ ہوا اور بے روزگاری بڑھ گئی جس کے باعث دیہات کے لوگ شہروں کی جانب ہجرت نہیں کرتے۔ صنعتیں منتشر ہو گئیں اور متوازن علاقائی ترقی شروع ہوئی۔ ان حقائق سے متعلق ہمارا علم چونکہ محدود ہے اس لیے ان حقائق کی وضاحت محض قیاسات پر مبنی ہے۔ بہر کیف یہ فرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب ۱۹۷۶ء میں ہندوستان کی آبادی تقریباً ۶۳ کروڑ ہو گی اور ۱۹۸۱ء میں ۷۰ کروڑ ہو گی تو شہری آبادی بالترتیب ۱۵ کروڑ ۰۰ لاکھ اور ۱۹ کروڑ ہو گی۔

شہروں کو فروغ دینے سے متعلق بحث بنیادی طور پر دیہات سے شہروں میں لوگوں کی اصل ہجرت کی بحث ہے اور اسے سمجھنا دشوار نہیں ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ شہروں کا فروغ اس وقت عمل میں آتا ہے جب شہری علاقوں میں رہنے والی کل آبادی دیہی علاقوں میں رہنے والی کل آبادی کی نسبت تیزی سے بڑھنے لگتی ہے۔ آبادی میں اضافہ کا انحصار ان باتوں پر ہے (۱) قدرتی اضافہ یعنی اموات کی نسبت پیدائش زیادہ۔ اور (۲) اصل ہجرت۔ ہندوستان میں شہری علاقوں میں قدرتی اضافہ کی رفتار دیہی علاقوں سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر شہروں میں شرحِ اموات دیہی علاقوں سے کچھ کم ہو سکتی ہے لیکن اسی طرح شرح پیدائش بھی کم ہے۔ اس طرح شہروں کے زیادہ تر فروغ کا سبب دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی جانب آبادی کی نقل و حرکت ہے۔

اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۴۱-۵۱ء کے دہائی سالوں میں تقریباً ۹۰ لاکھ لوگ اور ۱۹۵۱-۶۱ء کے دہائی سالوں میں ۵۲ لاکھ لوگ دیہات سے شہری علاقوں کی طرف گئے[۱] یہ لوگ قطار اندر قطار نہ صرف بڑے

---

[۱] ڈی۔ بے بوگ اور کے۔ سی۔ ذکریا کا مقالہ "ہندوستان میں شہروں کا فروغ اور ہجرت" : رائے ٹرنر کی کتاب "ہندوستان کے دیہات کا مستقبل" میں صفحہ ۱۳۰ اور کے۔ سی۔ ذکریا اور بے۔ پی۔ امبنور کا مقالہ۔ "ہندوستان میں آبادی کی از سر نو تقسیم بین الصوبائی اور دیہی و شہری" جو ۱۹۶۴ء میں دلی کے معاشی ترقی کے ادارے میں منعقدہ مذاکرے میں پیش کیا گیا۔

قصبوں اور بڑے صنعتی شہروں کی جانب جا رہے ہیں بلکہ سینکڑوں درمیانہ درجے کے شہروں اور چھوٹے شہروں کی جانب جا رہے ہیں۔ یہ کہنا اب درست نہیں ہوگا کہ ہندوستان کے دیہات کے لوگ باہر نکلنے سے ہچکچاتے ہیں یا صرف مَرد ہی باہر جاتے ہیں۔ ۵۱-۱۹۴۱ء اور ۶۱-۱۹۵۱ء کے دہائی سالوں میں اتنی ہی عورتیں شہروں میں گئیں جتنے مَرد گئے تھے۔

لوگ روزگار کی امید میں شہری علاقوں کی جانب ہجرت کرتے ہیں۔ روزی کمانے والے طبقے کے اعتبار سے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ شہروں میں آنے والے لوگوں کی بھاری تعداد ان لوگوں کی تھی جو غیر زرعی صنعتوں میں کام کرتے تھے مثلاً سامان تیار کرنے والی صنعتوں میں تجارت میں اور ٹرانسپورٹ میں مصروف تھے اور ملازمت کرتے تھے۔ بہرکیف روزگار کے لیے ہجرت کرنے والی دو بڑی شاخیں مینوفیکچرنگ اور سروسیں تھیں۔

شہروں کے فروغ اور صنعتی ترقی کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ ان اسباب کی بنا پر جو جانے پہچانے ہیں اور جن پر یہاں بحث کرنے کی ضرورت نہیں شہر صنعت کی ترقی کے لیے چند نمایاں فوائد فراہم کرتے ہیں۔ لیکن شہروں میں مکانوں، سڑکوں، تعلیم، پانی کی سپلائی، پانی کے نکاس اور علاج معالجہ کی سہولتوں وغیرہ کی صورت میں چند معاشی اخراجات بھی ہوتے ہیں اور اس وقت ہندوستانی معیشت اس حالت میں نہیں ہے کہ یہ اخراجات برداشت کر سکے۔ لہٰذا ہندوستان میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ بڑی صنعتوں کو شہروں اور قصبوں میں فروغ دیا جائے۔ مگر ہندوستانی معیشت کی بنیاد دیہات ہی رہنے چاہئیں۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ متوازن ترقی کیسے حاصل کی جائے گی۔ ہندوستان میں شہری ترقی ابھی تک منصوبہ بند نہیں ہے۔ اگر معاشی اور سماجی فضول خرچیوں کو روکنا مقصود ہے تو منصوبہ سازوں اور پالیسی بنانے والوں کو متوازن دیہی و شہری ترقی کے مسئلے پر سنجیدگی سے توجہ دینی ہوگی۔

مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین لفظ "شہروں کے فروغ" کو تنگ معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور اس کا مفہوم یہ لیتے ہیں: دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی جانب لوگوں کی نقل و حرکت۔ مگر ماہرین عمرانیات اس کا مطلب یہ لیتے ہیں، سماج کو مغربی اور جدید رنگ میں ڈھالنے کا پیچیدہ عمل۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے دیہی علاقے شہری علاقوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس عمل کے دوران ایک شہری سماج وجود میں آتا ہے۔ یہ دو الگ الگ طریقوں سے جاری رہتا ہے۔ (۱) شہری سماج یعنی شہروں میں آنے

والے لوگوں کا شہری طرزِ زندگی اختیار کرنا اور (۲) شہروں کے اثر و رسوخ کو دیہات میں پھیلانا۔ شہری سماج تخلیق کرنے کے عمل میں نووارد نئی سماجی ہیئتوں اور اداروں میں شرکت کرتے ہیں۔ نئے ضابطے سیکھتے ہیں اور نئی اقدار کو فروغ دیتے ہیں۔ دوسرے عمل میں شہری اثر و رسوخ دیہی علاقوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ کسان شہر میں تیار کیے گئے کپڑے پہنتے ہیں، شہر میں بنی ہوئی مشینیں اور اوزار استعمال کرتے ہیں۔ اور شہروں میں تیار کی گئی گاڑیاں چلاتے ہیں۔ شہر ان کے انداز، ان کے مذاق، ان کی سوچ اور ان کے برتاؤ کو نئے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ شہروں کو فروغ دینے کے عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ استدلالی سوچ سے کام لیتے ہیں اور پیدائش کی شرحیں کم ہو جاتی ہیں۔ اس مفہوم کے اعتبار سے ہمارے ملک میں شہروں کو فروغ دینے کا عمل ابھی شروع نہیں ہوا ہے۔

نواں باب

ہندوستان کی آبادی کی آئندہ نشوونما

منصوبہ ساز اور پالیسی مرتب کرنے والے یہ جاننے میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ آبادی کی آئندہ جسامت اور آبادی میں اضافے کی آئندہ رفتار کیا ہوگی۔ ان کو یہ معلومات معاشی اور سماجی ترقی کے حقیقت پسندانہ نشانے مقرر کرنے کے لیے چاہئیں۔ مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین جو آبادی کے خاکے تیار کرتے ہیں ان پر اکثر یہ نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ ان کے اندازے صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ لیکن یہ نکتہ چینی ان خاکوں کی نامکمل قدرشناسی پر مبنی ہے۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ یہ خاکے کیا ہیں اور کیسے بنائے جاتے ہیں۔ آبادی کے خاکے آبادی کی آئندہ جسامت سے متعلق صحیح پیش گوئیاں نہیں ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ مردوں اور عورتوں اور عمر کے لحاظ سے آبادی کی ممکن تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ خاکے محض گوشوارے ہوتے ہیں کہ اگر افزائشِ نسل کی صلاحیت، شرحِ اموات اور ہجرت چند طے شدہ رجحانات کے نقشِ قدم پر چلے گی تو مستقبل کی خاص تاریخوں میں آبادی کی جسامت اور مردوں اور عورتوں اور عمر کے لحاظ سے آبادی کی تشکیل کیا ہوگی۔ ان حقائق سے متعلق جو افزائشِ نسل کی صلاحیت، شرحِ اموات اور ہجرت کی سطح کا تعین کرتے ہیں چونکہ ہمارا علم مکمل نہیں ہے اس لیے قیاسات میں غیر یقینی عنصر موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا اس امر کا امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ خاکے درست ثابت نہیں ہوں گے۔ بہرکیف اہم بات تو یہ ہے کہ جو لوگ آبادی کے خاکے تیار کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو ان خاکوں کو استعمال کرتے ہیں ان کو یہ بات مسلسل یاد رکھنی چاہیے کہ خاکوں میں بے اعتمادی کی گنجائش بھی ہوتی ہے اور جس قدر طویل عرصے کے لیے یہ خاکے بنائے جائیں گے اسی قدر ان میں بے اعتباری کی زیادہ گنجائش کا امکان ہوگا۔

وقتاً فوقتاً ہندوستان کی آبادی سے متعلق متعدد خاکے تیار کیے گئے ہیں۔ صرف چند خاکوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ڈیوس کنگسلے[1] (۱۹۴۹ء) کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان کی آبادی ہر سال ۱٫۲ فیصدی کی شرح

---

[1] ڈیوس کنگسلے کی کتاب "ہندوستان اور پاکستان کی آبادی" جسے پرنسٹن میں پرنسٹن یونیورسٹی پریس نے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔ صفحات ۸۸ اور ۸۹۔

سے بڑھے گی لیکن مردم شماری کے کمشنر شری آر۔ اے۔ گوپال سوامی[1] (۱۹۵۱) نے اس خیال کا اظہار کیا کہ آبادی ہر سال ۱۶۲۴ فیصدی کی شرح سے بڑھ سکتی ہے۔ کنگسلے ڈیوس کا اندازہ یہ تھا کہ ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کی آبادی ۳۸ کروڑ ۴۰ لاکھ اور ½ ۴۰ کروڑ کے درمیان ہوگی۔ شری گوپالاسوامی کا خیال یہ تھا کہ ہندوستان کی آبادی ۳۸ کروڑ اور ۴۱ کروڑ ۲۰ لاکھ کے درمیان ہوگی۔ کول اور ہُوور[2] (۱۹۵۸ء) جنھوں نے مختلف قیاسات پر مبنی چھ خاکوں کا ایک سلسلہ تیار کیا تھا یہ اندازہ لگایا تھا کہ ۱۹۶۱ء میں آبادی ۴۱ کروڑ ۸۰ لاکھ اور ۴۲ کروڑ ۲۰ لاکھ کے درمیان ہوگی۔ "اہم ترین اور صحت کے اعداد و شمار"[3] سے متعلق ماہرین کی کمیٹی نے جسے ہند سرکار نے ہندوستان کی آبادی کی آئندہ نشوونما کا اندازہ لگانے کے لیے ۱۹۵۹ء میں قائم کیا تھا یہ اندازہ لگایا کہ ۱۹۶۱ء میں آبادی ½ ۴۲ کروڑ ہوگی۔ یہ تمام خاکے آبادی کے کم اندازوں کے آئینہ دار ثابت ہوئے کیوں کہ ۱۹۶۱ء میں آبادی ۴۳ کروڑ ۹۰ لاکھ ہوگئی۔ یہ مختصر سی روداد بڑی حد تک اس امر کی عکاسی کرے گی کہ آبادی سے متعلق اندازے آئندہ آبادی کے محض گوشوارے ہوتے ہیں اور بہترین اندازوں میں بھی غلطی کی گنجائش ہوتی ہے۔

ہندوستان کے لیے آبادی کے تازہ ترین دستیاب خاکے ماہرین کی ایک کمیٹی نے تیار کیے ہیں جسے ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے لیے آبادی کے ابتدائی اعداد و شمار کی اشاعت کے فوراً بعد ۱۹۶۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔ کمیٹی نے تین خاکوں کے مجموعے تیار کیے۔ بلند، درمیانہ درجہ اور نچلے درجے کے خاکے۔ اور تیسرے اور چوتھے پنجسالہ منصوبوں کے لیے درمیانہ درجے کے خاکے استعمال کیے گئے۔

درمیانہ درجے کے تخمینے اس مفروضہ پر مبنی ہیں کہ ۱۹۶۶ء تک افزائش نسل کی صلاحیت تبدیل نہیں ہوگی۔ بہرحال یہ قیاس لگایا گیا ہے کہ یہ ۷۰۔ ۱۹۶۶ء کے دوران ۵ فیصدی ۷۵۔ ۱۹۷۱ء کے دوران ۱۰ فیصدی اور ۸۰۔ ۱۹۷۶ء کے دوران ۲۰ فیصدی کم ہو جائے گی۔ اور شرحِ اموات کے بارے میں یہ قیاس لگایا گیا ہے کہ

---

[1] ہندوستان کے مردم شماری کے کمشنر کی ۱۹۵۱ء کی رپورٹ "ہندوستان کی مردم شماری" جلد نمبر I حصہ نمبر I (الف) صفحات ۱۷۹ اور ۱۸۰۔

[2] اے۔ جے۔ کول اور ایڈگر ایم ہُوور کی کتاب "قلیل آمدنی والے ممالک میں آبادی کی نشوونما اور معاشی ترقی" جسے پرنسٹن میں پرنسٹن یونیورسٹی پریس نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔ صفحات ۳۵۹ اور ۳۶۷ تک۔

[3] ہندوستان کے رجسٹرار جنرل کی رپورٹ "۱۹۶۱ء اور ۱۹۷۶ء کے لیے ہندوستان کی آبادی سے متعلق اندازے" جسے نئی دلی میں ہندوستان کے رجسٹرار جنرل کے دفتر نے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔ صفحات ۱۲ (مونوگراف)

یہ ایسے ڈھنگ سے کم ہوگی کہ پیدائش کے وقت طوالتِ عمر کا امکان ۱۹۷۰-۱۹۶۱ء کے دوران ۰.۶۹ سال کی سالانہ شرح سے اور ۱۹۸۰-۱۹۷۱ء کے دوران ۰.۷۵ سال کی سالانہ شرح سے بڑھے گا۔ اس کے مطابق ہندوستان کی آبادی بڑھ کر ۱۹۶۶ء میں ۴۹ کروڑ ۴۰ لاکھ ہو جائے گی اور ۱۹۸۱ء میں ۶۹ کروڑ ۳۰ لاکھ ہو جائے گی۔ گوشوارہ نمبر ۲۶ میں مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے کل آبادی کے تخمینے اور گوشوارہ نمبر ۲۷ میں ۸۱-۱۹۶۱ء کے عرصے کے لیے درمیانہ تخمینوں کی شرحِ پیدائش، شرحِ اموات اور شرحِ اضافہ پیش کی جا رہی ہے۔

گوشوارہ ۲۶

مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے ہندوستان کی آبادی کے آئندہ تخمینے ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۱ء تک

(دس لاکھ میں)

	بلند تخمینے	درمیانہ تخمینے	پست تخمینے
۱	۲	۳	۴
۱۹۶۶ء			
کُل	۴۹۴	۴۹۴	۴۹۴
مَرد	۲۵۵	۲۵۵	۲۵۵
عورتیں	۲۳۹	۲۳۹	۲۳۹
۱۹۷۱ء			
کُل	۵۶۲	۵۵۸	۵۵۴
مرد	۲۹۰	۲۸۸	۲۸۶
عورتیں	۲۷۲	۲۷۰	۲۶۸
۱۹۷۶ء			
کُل	۶۴۳	۶۲۹	۶۱۵
مَرد	۳۳۲	۳۲۵	۳۱۸
عورتیں	۳۱۱	۳۰۴	۲۹۷

		۱	۲	۳	۴
۱۹۸۱ء	کل		۷۲۳	۶۹۳	۶۶۶
	مرد		۳۷۳	۳۵۸	۳۴۴
	عورتیں		۳۵۰	۳۳۵	۳۲۲

گوشوارہ ۲۷

افزائشِ نسل کی عام شرح، شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات

۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۱ء تک

	افزائشِ نسل کی عام شرح	شرحِ پیدائش	شرحِ اموات	قدرتی اضافے کی شرح
۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۶۱-۶۶ء	۱۹۵	۴۱۶۰	۱۷۶۲	۲۳۶۸
۱۹۶۶-۷۱ء	۱۸۵	۳۸۶۶	۱۴۶۰	۲۴۶۶
۱۹۷۱-۷۶ء	۱۶۷	۳۵۶۱	۱۱۶۳	۲۳۶۸
۱۹۷۶-۸۱ء	۱۳۳	۲۸۶۷	۹۶۲	۱۹۶۵

اس امر کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں شرحِ پیدائش میں آئندہ کمی سے متعلق مرگ و پیدائش کے اعداد و شمار کے ماہرین بڑی حد تک اتفاق کرتے ہیں. گذشتہ ۳۰ برس کے دوران شرحِ اموات تقریباً نصف رہ گئی ہے اور اس بات کا امکان نظر آتا ہے کہ آئندہ ۲۰ برس میں یہ مزید ۵۰ فیصدی کم ہو جائے گی۔ اُمید ہے کہ یہ ۱۹۸۱ء تک ایک ہزار کے پیچھے ۱۰ یا ۹ کی پست سطح تک پہنچ جائے گی اور یہ بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں شرحِ اموات کی سطح ہے۔ افزائشِ نسل کی شرح میں کمی کیا راستہ اختیار کرے گی وہ غیر یقینی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ افزائشِ نسل کی شرح بیرونی تحریکوں کے باعث خود بخود کم نہیں ہوتی ہے۔جب تک لوگ استقرارِ حمل کو روکنے کے چند طریقے استعمال نہیں کریں گے تب تک افزائشِ نسل کی صلاحیت کی شرح کم نہیں ہوگی۔ اور استقرارِ حمل کو روکنے کے طریقوں کے استعمال کا دار و مدار چھوٹے خاندانوں کے لیے لوگوں کی خواہش پر

خاکوں کی فہرست

	صفحہ
۱. مختلف سالوں میں ہندوستان کی آبادی	۲۲
۲. مردوں اور عورتوں اور عمر کے اعتبار سے آبادی کا فیصد تناسب	۲۶
۳. مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے شادی کے وقت اوسط عمر	۳۶
۴. مختلف دہائی سالوں میں افزائش نسل کے لئے اتحاد کی اوسط مدت	۴۵
۵. شادی کے وقت عمر کے اعتبار سے افزائش نسل کی کل صلاحیت. شہری اور دیہی	۵۲
۶. مختلف دہائی سالوں میں ہندوستان میں شرحِ اموات.	۵۸
۷. مختلف دہائی سالوں میں مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے پیدائش کے وقت طوالتِ عمر کا امکان	۶۰
۸. شہری آبادی کا فیصد تناسب ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۱ء تک	۶۹
۹. مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے ہندوستان کی آبادی کا تخمینہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۱ء تک	۷۹

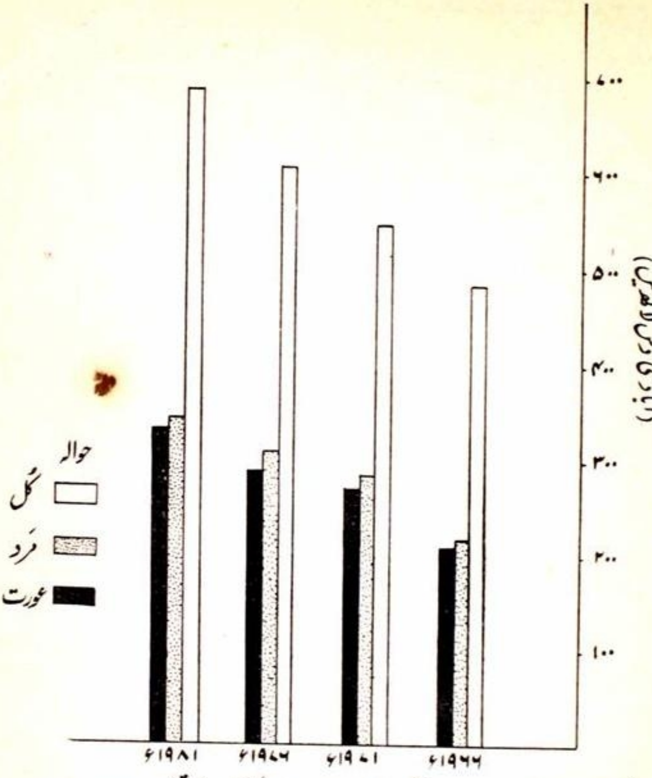

خاکہ نمبر ۹ عورتوں اور مردوں کے اعتبار سے ہندوستان کی آبادی کا تخمینہ۔ ۸۱-۱۹۶۱ء

پر ہے۔ یہ بات چونکہ معلوم نہیں ہے کہ ہندوستان میں بھاری تعداد میں لوگ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے استعمال کرینگے یا نہیں اس لیے افزائشِ نسل کی شرح میں مجوزہ کمی کے بارے میں کوئی پیشگوئی کرنا دشوار ہے۔

گوشوارہ ۲۸ اور گوشوار ۲۹ میں منتخب سالوں کے دوران عمر کے مختلف گروپوں کے اسکول جانے والے بچوں کی تعداد کے تخمینے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ اعداد و شمار درمیانی تخمینوں پر

مبنی ہیں۔ ۶ سے ۱۰ سال تک کی عمر میں پہلی اور پانچویں جماعت کے لیے، ۱۱ سے ۱۳ برس تک کی عمر میں چھٹی سے آٹھویں جماعت کے لیے، ۱۴ اور ۱۵ سال کی عمر میں نویں اور دسویں جماعت کے لیے اور ۱۶ اور ۱۷ برس کی عمر میں گیارھویں اور بارھویں جماعت کے لیے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۶ سے ۱۰ برس کی عمر کے گروپ میں اسکول جانے والے بچے جو ۱۹۶۱ء میں ۵۶۶ لاکھ تھے ۱۹۸۱ء میں بڑھ کر ۸۶۹ لاکھ ہو جائیں گے۔ اسی طرح ۱۱ سے ۱۳ برس کی عمر کے گروپ کے بچے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۱ء کے درمیان ۲۶۹ لاکھ ۵۶۱ لاکھ تک بڑھ جائیں گے۔ اس سے آبادی میں اضافوں کے نتیجے کے طور پر پیدا ہونے والے مسئلے کی اہمیت کا کچھ پتہ چلتا ہے۔

گوشوارہ ۲۸

عمر کے مختلف گروپوں میں اسکول جانے والے بچوں کی تعداد کا اندازہ ۱۹۶۶ء

۰۰۰ میں

صوبہ	عمر کا گروپ ۶ - ۱۰ لڑکے	۶ - ۱۰ لڑکیاں	۱۱ - ۱۳ لڑکے	۱۱ - ۱۳ لڑکیاں	۱۴ - ۱۵ لڑکے	۱۴ - ۱۵ لڑکیاں	۱۶ - ۱۷ لڑکے	۱۶ - ۱۷ لڑکیاں
آندھرا پردیش	۳۴۶۴۸	۳۴۶۱۱	۱۳۰۴۰	۱۲۹۴۹	۸۲۵۴	۸۱۹۶	۷۹۹۴	۷۹۳۲
آسام	۹۸۸۲	۱۰۰۲۰	۵۰۸۶	۵۰۲۶	۳۱۰۲	۳۰۱۰	۲۸۹۶	۲۷۶۹
بہار	۳۴۷۳۶	۳۶۲۱۱	۱۹۵۸۶	۱۸۷۷۴	۱۱۸۷۲	۱۱۰۸۲	۱۰۸۹۹	۹۹۴۷
گجرات	۱۴۴۴۹	۱۵۶۸۶	۸۸۱۵	۸۲۸۵	۵۴۱۳	۵۰۷۶	۵۰۶۴	۴۷۳۴
جموں اور کشمیر	۲۴۳۶	۲۲۷۰	۱۳۶۳	۱۲۲۵	۸۶۳	۷۷۵	۸۲۷	۷۴۸
کیرل	۱۲۶۵۳	۱۲۱۶۴	۶۷۵۹	۶۶۲۳	۴۱۷۳	۴۱۸۰	۳۹۱۹	۴۰۰۹
مدھیہ پردیش	۲۵۷۳۴	۲۵۱۶۵	۱۲۷۸۵	۱۲۳۲۳	۷۶۱۲	۷۲۵۷	۶۹۹۹	۶۶۱۴
مدراس	۲۲۲۷۱	۲۱۷۹۳	۱۱۷۴۴	۱۱۵۳۴	۷۳۹۹	۷۳۷۰	۷۱۴۴	۷۲۲۰
مہاراشٹر	۲۹۶۰۶	۲۸۹۹۶	۱۵۹۳۲	۱۵۲۰۲	۹۹۲۱	۹۲۲۵	۹۳۹۳	۸۵۴۰
میسور	۱۷۶۶۱	۱۷۳۵۸	۸۸۹۴	۸۷۴۲	۵۵۵۴	۵۴۷۷	۵۳۶۸	۵۳۱۲
اڑیسہ	۱۲۳۳۰	۱۲۷۳۱	۶۵۴۴	۶۸۰۷	۴۰۹۹	۴۲۰۸	۳۹۱۹	۳۹۵۶
پنجاب	۱۷۱۲۵	۱۵۱۹۶	۹۱۹۸	۸۱۰۴	۵۶۷۱	۵۰۰۸	۵۳۰۰	۴۷۰۲
راجستھان	۱۴۶۲۷	۱۵۵۳۳	۸۵۹۲	۸۰۳۶	۵۲۷۸	۴۹۱۸	۴۹۷۰	۴۶۰۵
اتر پردیش	۵۵۹۴۲	۵۱۹۵۷	۲۸۲۹۰	۶۲۸۳۱	۱۶۶۰۴	۱۶۶[illegible]	۱۶۱۸۲	۱۵۷۷۴
مغربی بنگال	۲۴۷۵۳	۲۶۹۲۳	۱۳۵۸۳	۱۳۵۰۶	۸۴۵۷	۸۲۴۴	۸۱۳۰	۷۷۶۱
ہندوستان	۲۳۳۲۱۶	۲۲۳۶۶۱	۱۴۷۸۸۶	۱۴۶۴۳۰	۱۰۷۵۹۲	۱۰۲۷۱۹	۱۰۲۰۰۵	۹۶۵۹۳

گوشوارہ ۲۹

عمر کے مختلف گروپوں میں اسکول جانے والے بچوں کی تعداد کا اندازہ ۱۹۸۱ء

(۰۰۰ میں)

صوبہ	عمر کا گروپ ۶ - ۱۰ لڑکے	۶ - ۱۰ لڑکیاں	۱۱ - ۱۳ لڑکے	۱۱ - ۱۳ لڑکیاں	۱۴ - ۱۵ لڑکے	۱۴ - ۱۵ لڑکیاں	۱۶ - ۱۷ لڑکے	۱۶ - ۱۷ لڑکیاں
آندھرا پردیش	۲۳۵۳۴	۳۱۴۲۷	۱۹۲۶۹	۱۸۰۲۱	۱۲۲۹۸	۱۱۴۶۸	۱۱۷۷۱	۱۰۹۵۰
آسام	۱۵۹۸۹	۱۵۲۷۶	۸۶۷۶	۸۲۶۰	۵۳۳۳	۵۰۷۱	۴۹۸۹	۴۷۰۹
بہار	۴۹۳۵۸	۴۷۱۱۴	۲۷۶۱۱	۲۶۳۹۷	۱۷۴۰۶	۱۶۶۲۲	۱۷۵۴۸	۱۵۷۷۶
گجرات	۲۴۱۶۳	۲۲۵۸۷	۱۳۶۶۶	۱۲۷۵۶	۸۶۶۴	۸۰۶۲	۸۲۵۹	۷۶۶۰
جموں اور کشمیر	۲۹۵۵	۲۸۳۰	۱۷۳۶	۱۶۰۴	۱۱۲۹	۱۰۳۹	۱۱۰۱	۱۰۱۶
کیرل	۱۷۷۵۱	۱۶۳۰۲	۱۰۱۳۹	۹۳۴۶	۶۴۱۳	۵۹۳۹	۶۰۸۸	۵۶۶۶
مدھیہ پردیش	۳۴۷۴۸	۳۲۷۰۴	۱۹۵۱۷	۱۸۳۸۵	۱۲۳۷۵	۱۱۵۸۲	۱۱۸۱۲	۱۰۹۷۸
مدراس	۲۶۹۲۸	۲۵۲۱۶	۱۵۷۴۰	۱۴۷۴۱	۱۰۱۱۰	۹۴۳۸	۹۷۲۰	۹۰۴۴
مہاراشٹر	۴۱۹۶۲	۳۹۰۷۹	۲۳۹۸۹	۲۲۳۳۴	۱۵۳۴۶	۱۴۲۴۷	۱۴۷۴۴	۱۳۶۴۸
میسور	۲۴۶۲۲	۲۲۹۳۹	۱۳۹۲۳	۱۲۹۷۷	۸۸۱۱	۸۱۷۸	۸۳۷۷	۷۷۴۴
اُڑیسہ	۱۷۴۰۲	۱۶۵۹۰	۹۹۶۵	۹۴۹۷	۶۳۴۶	۶۰۳۲	۶۰۶۱	۵۷۵۴
پنجاب	۲۶۴۵۸	۲۳۷۹۲	۱۴۹۱۳	۱۳۳۸۷	۹۳۹۷	۸۴۴۳	۸۹۰۲	۸۰۰۶
راجستھان	۲۴۱۵۴	۲۱۸۶۱	۱۳۶۶۰	۱۲۳۳۶	۸۶۳۶	۷۷۸۶	۸۲۰۷	۷۳۹۰
اترپردیش	۷۴۳۲۰	۶۹۹۷۴	۴۲۲۲۵	۳۹۷۵۳	۲۶۷۶۰	۲۵۱۴۵	۲۵۴۷۳	۲۳۸۸۶
مغربی بنگال	۴۰۴۰۵	۳۸۴۲۳	۲۲۵۴۴	۲۱۴۵۹	۱۴۱۷۴	۱۳۴۶۵	۱۴۴۱۰	۱۲۷۲۰
ہندوستان	۴۶۱۳۹۵	۴۳۲۴۱۵	۲۶۰۵۹۴	۲۴۴۸۹۷	۱۶۵۲۷۹	۱۵۵۰۴۷	۱۵۴۴۷۹	۱۴۷۶۰۶

گوشوارہ ۳۰ اور گوشوارہ ۳۱ میں ۱۹۶۶ء-۱۹۸۱ء کے عرصے کے لیے محنت کش مردوں اور عورتوں کی تعداد کے اندازے پیش کیے گئے ہیں۔ وہ اشخاص جو ۱۵ سے ۵۹ برس کی عمر کے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اور کام کرنے کے لیے میسّر ہیں وہ محنت کش قوّت کے زمرے کے تحت آتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں ۱۲ کروڑ ۹۰ لاکھ اشخاص محنت کش قوّت میں شامل تھے۔ ۱۹۶۶ء میں اس امر کا امکان ہے کہ ان کی تعداد بڑھ کر ۱۲ کروڑ ۸۰ لاکھ ہوجائے گی اور ۱۹۸۱ء میں ۲۰ کروڑ ۲۰ لاکھ ہوجائے گی۔ اس طرح محنت کش قوّت کی عمر کے گروپ میں شامل عورتوں کی تعداد ۱۹۶۶ء میں ۱۲ کروڑ ۶۰ لاکھ اور ۱۹۸۱ء میں ۱۸ کروڑ ۹۰ لاکھ ہوجائے گی۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے کام مہیا کرنے کی غرض سے روزگار کی مزید سہولتیں تخلیق کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

گوشوارہ ۳۰

صوبوں کے اعتبار سے محنت کش لوگوں کی آبادی کے اندازے ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۱ء تک

(۰۰۰ میں)

مَرد

صوبہ	۱۹۶۶ء	۱۹۷۱ء	۱۹۷۶ء	۱۹۸۱ء
۱	۲	۳	۴	۵
آندھرپردیش	۱۱۱۴۳۹	۱۲۲۴۲۹	۱۳۶۶۵۶	۱۵۴۲۲۸
آسام	۳۷۳۲۳	۴۲۲۸۰	۴۸۷۷۷	۵۷۲۰۲
بہار	۱۳۵۴۸۸	۱۵۴۹۵۷	۱۷۸۵۱۹	۲۰۵۵۶۳
گجرات	۶۳۶۵۷	۷۲۷۶۲	۸۳۸۲۲	۹۷۸۸۴
جموں وکشمیر	۱۱۲۱۲	۱۱۹۳۹	۱۲۸۴۸	۱۴۲۰۹
کیرل	۵۰۴۸۳	۵۷۷۱۶	۶۶۲۷۰	۷۶۵۹۷
مدھیہ پردیش	۱۰۰۰۶۱	۱۱۲۲۷۸	۱۲۹۳۴۵	۱۴۸۴۸۳
مدراس	۱۰۶۰۶۳	۱۱۵۵۲۵	۱۲۷۸۱۹	۱۴۰۹۳۶
مہاراشٹر	۱۲۶۰۸۸	۱۴۱۹۶۳	۱۶۰۶۴۳	۱۸۴۲۸۲
میسور	۷۳۱۵۵	۸۱۴۶۰	۹۲۹۳۳	۱۰۶۳۱۶
اُڑیسہ	۵۴۵۹۶	۵۹۳۴۸	۶۶۶۷۸	۷۶۰۶۲

۱	۲	۳	۴	۵
پنجاب	۶۳۹۷۲	۷۴۱۰۲	۸۶۰۴۲	۱۰۲۰۷۷
راجستھان	۶۴۰۵۱	۷۳۲۷۸	۸۴۵۷۱	۹۹۲۶۸
اترپردیش	۲۲۳۵۴۳	۲۵۸۴۳۰	۲۹۳۶۷۷	۳۳۳۱۳۵
مغربی بنگال	۱۱۵۴۵۵	۱۲۸۰۶۷	۱۴۵۱۴۳	۱۶۶۳۵۵
ہندوستان	۱۳۷۵۶۴۰	۱۵۴۵۹۲۰	۱۷۶۳۳۰۰	۲۰۱۸۷۷۰

گوشوارہ ۳۱

صوبوں کے اعتبار سے محنت کش لوگوں کی آبادی کے تخمینے ۱۹۶۶ سے ۱۹۸۱ تک

(’۰۰۰) میں

عورتیں

صوبہ	۱۹۶۶	۱۹۷۱	۱۹۷۶	۱۹۸۱
آندھرپردیش	۱۰۷۳۵۸	۱۱۸۴۴۴	۱۳۲۹۰۳	۱۴۹۳۶۱
آسام	۳۰۹۲۸	۳۶۷۲۴	۴۴۳۰۷	۵۳۱۰۱
بہار	۱۳۳۷۰۲	۱۵۲۰۹۹	۱۷۵۴۸۴	۲۰۱۱۰۵
گجرات	۵۸۶۲۶	۶۷۱۶۳	۷۷۴۴۳	۹۰۳۱۷
جموّں اور کشمیر	۹۴۷۸	۱۰۱۶۶	۱۰۹۳۲	۱۲۲۱۴
کیرل	۵۲۲۰۶	۵۹۰۰۵	۶۶۹۰۲	۷۶۰۹۶
مدھیہ پردیش	۹۲۵۴۱	۱۰۴۷۰۶	۱۲۱۷۷۱	۱۳۹۷۷۲
مدراس	۱۰۵۰۵۲	۱۱۴۲۶۵	۱۲۶۲۹۶	۱۳۸۲۴۴
مہاراشٹر	۱۱۵۰۹۰	۱۳۰۸۱۹	۱۵۰۰۲۴	۱۷۲۶۱۰
میسور	۵۸۳۰۹	۷۷۰۲۴	۸۸۷۵۹	۱۰۱۴۲۲
اڑیسہ	۵۳۵۹۶	۵۸۷۸۳	۶۶۵۵۸	۷۵۴۹۶
پنجاب	۵۴۹۱۵	۶۳۹۵۲	۷۴۶۴۴	۸۹۰۳۹
راجستھان	۵۶۴۲۲	۶۵۱۱۳	۷۶۰۴۳	۸۸۸۵۲
اترپردیش	۲۰۷۵۱۶	۲۳۲۲۵۶	۲۶۴۹۵۸	۳۰۲۷۴۲
مغربی بنگال	۹۴۶۲۲	۱۰۹۲۹۵	۱۲۸۸۹۶	۱۵۱۴۳۸
ہندوستان	۱۲۶۳۹۵۰	۱۴۳۲۱۸۰	۱۶۴۷۸۱۰	۱۸۹۲۲۸

دسواں باب

آبادی میں اضافہ اور خوراک کی سپلائی

خوراک کا مسئلہ ہمارا بنیادی معاشی مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں ہر چار اشخاص میں سے کم سے کم ایک اور غالباً ہر تین اشخاص میں سے کم سے کم ایک آدمی ایسا ہے جسے پوری خوراک نہیں ملتی ہے۔ کتنے لوگ خراب غذا کھاتے ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ثبوت سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مجموعی اعتبار سے ہندوستان کے لیے اس کی حد کم سے کم ۵۰ فیصدی طے کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں کم غذا کھانے والے بیشتر لوگ خراب غذا بھی کھاتے ہیں۔ اس طرح اس بات کا اظہار ہوگا کہ آج ہندوستان کے تقریباً ۲۵ کروڑ لوگ ایسے ہیں جن کو خوراک پوری نہیں ملتی یا خراب غذا کھاتے ہیں یا غذا خراب بھی اور کم بھی کھاتے ہیں۔[1] یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کیونکہ ۶۰ فیصدی سے زائد آبادی کا روزمرہ کے استعمال کی اشیاء پر خرچ ۵۰ پیسے فی یوم سے بھی کم ہے۔

تیسرے پنجسالہ پلان کے پہلے تین سالوں میں زرعی پیداوار تقریباً ۸ کروڑ ٹن تھی۔ بہرکیف ۶۵-۱۹۶۴ء میں ہم خوش نصیب تھے کہ ہمیں بالافراط فصل میسر آئی یعنی کل ۸ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن اناج پیدا ہوا اور یہ امید کی گئی کہ اگلے پنجسالہ پلان کے آخری سال یعنی ۶۶-۱۹۶۵ء میں پیداوار ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن ہوگی۔ برعکس اس کے برسات کے پیدا کردہ مصائب کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار ۶۵-۱۹۶۴ء کی سطح سے بھی کم ہوئی یعنی اندازے کے مطابق ایک کروڑ سے لیکر ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن کم ہوئی۔ (گوشوارہ ۳۲)

۱۹۶۱ء میں ہندوستان کی ۴۳ کروڑ ۹۰ لاکھ کی آبادی بڑھ کر ۱۹۷۱ء میں غالباً ۵۵ کروڑ ۸۰ لاکھ ہو جائے گی۔ تیسرے پنجسالہ پلان کے مطابق توقع ہے کہ قومی آمدنی ۶۱-۱۹۶۰ء میں ایک کھرب ۴۵ ارب روپے سے بڑھ کر ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۲½ کھرب روپے ہو جائے گی۔ اور فی کس آمدنی ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۳۳۰ روپے سے بڑھ کر ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۴۵۰ روپے ہو جائے گی۔ آبادی میں اضافے، آمدنی بڑھنے سے غذائی اشیاء کی مانگ اور ایسے

---

[1] سکھاتمے۔ پی۔ وی۔ کی کتاب "ہندوستان کے بڑھتے ہوئے لاکھوں لوگوں کے لیے خوراک" جسے ایشیا پبلشنگ ہاؤس بمبئی نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۵،

دیگر حقائق کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ۷۱-۱۹۷۰ء میں غذائی اشیاء کی مانگ سے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ تقریباً ۱۲ کروڑ ٹن کے برابر ہوگی۔ (گوشوارہ ۳۳)

گوشوارہ ۳۲

منتخب سالوں ۵۱-۱۹۵۰ء اور ۶۵-۱۹۶۴ء میں ہندوستان میں غذائی اشیاء کی پیداوار اور درآمد
(دس لاکھ ٹن میں)

سال	چاول	گندم	دیگر اناج	کل اناج	دالیں	کل غذائی اشیاء	غذائی اشیاء کی درآمد
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۹۵۰-۵۱ء	۲۰٫۶	۶٫۵	۱۵٫۴	۴۲٫۵	۸٫۴	۵۰٫۹	۲٫۲
۱۹۵۵-۵۶ء	۲۷٫۶	۸٫۸	۱۹٫۵	۵۵٫۹	۱۱٫۰	۶۶٫۹	۰٫۷
۱۹۶۰-۶۱ء	۳۴٫۶	۱۱٫۰	۲۳٫۷	۶۹٫۳	۱۲٫۷	۸۲٫۰	۵٫۱
۱۹۶۱-۶۲ء	۳۵٫۷	۱۲٫۱	۲۳٫۲	۷۱٫۰	۱۱٫۸	۸۲٫۸	۳٫۵
۱۹۶۲-۶۳ء	۳۱٫۹	۱۰٫۸	۲۴٫۳	۶۷٫۰	۱۱٫۴	۷۸٫۴	۳٫۶
۱۹۶۳-۶۴ء	۳۶٫۹	۹٫۹	۲۳٫۴	۷۰٫۲	۱۰٫۱	۸۰٫۳	۴٫۶
۱۹۶۴-۶۵ء	۳۸٫۷	۱۲٫۱	۲۵٫۲	۷۶٫۰	۱۲٫۴	۸۸٫۸	۶٫۳

گوشوارہ ۳۳

۷۱-۱۹۷۰ء میں غذائی اشیاء کے لیے مانگ کا اندازہ
(دس لاکھ ٹن میں)

اندازہ لگانے والے	اناج	دالیں	کل غذائی اشیاء
۱. محکمۂ زراعت کا ورکنگ گروپ	۱۰۶٫۲	۱۶٫۶	۱۲۲٫۶
۲. پلاننگ کمیشن کا تناظری منصوبہ بندی سے متعلق ڈویژن	-		۱۲۲٫۱۲۷
۳. اطلاقی معاشی تحقیق کی قومی کونسل	۹۴٫۳	۲۰٫۶	۱۱۴٫۹

قوت بخش غذا کے نقطۂ نظر سے بھی غذائی ضروریات کے اندازے لگائے گئے ہیں اور یہ اندازے

کلوریوں کی ضروریات کی کم سے کم اور درمیانی سطحوں پر مبنی ہیں۔ اجمالی طور سے کم سے کم سطح شیر خوار بچوں، چھوٹے کم عمر والے بچوں اور جزوی طور پر دیگر کمزور لوگوں کے گروپوں کی حیوانی پروٹین کی ضروریات پوری کر دیتی ہے۔ درمیانی سطح، اس کے علاوہ ۶ سے ۱۹ سال کی عمر کے اسکول جانے والے بچوں کے لیے زیادہ مکمل طور سے حیوانی پروٹین کی ضروریات پوری کر دیتی ہے بلکہ دیگر کمزور لوگوں کے گروپوں کے لیے مناسب ضرورت پوری کرتی ہے۔ کم سے کم اور درمیانی سطحوں میں کلوریوں کی کل اقدار میں زیادہ فرق نہیں ہے لیکن تقسیم سے فرق ضرور پڑتا ہے

گوشوارہ ۲۴

کم سے کم اور درمیانی سطح میں کلوریوں کی اقدار

شے	کم سے کم سطح	درمیانی سطح
۱	۲	۳
اناج	۱۴۲۳	۱۳۲۴
دالیں اور گری دار میوے	۳۲۶	۲۹۷
نشاستہ دار جڑیں	۴۳	۴۳
پھل اور ترکاریاں	۵۲	۶۰
کھانڈ	۱۷۶	۱۹۷
دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء	۱۶۹	۲۳۲
گوشت مچھلی اور انڈے	۲۶	۴۷
روغنی اشیاء اور تیل	۱۵۹	۱۷۹
کل میزان	۲۳۷۵	۲۳۷۸

اگر آئندہ ضروریات کی اصطلاح میں ان کی توضیح کی جائے تو کم سے کم نشانہ یہ ہوگا کہ آبادی میں ہر دس لاکھ اشخاص کے اضافے پر تقریباً ۲۰ لاکھ ٹن اناج، ۵ لاکھ ٹن پھل اور سبزیوں اور مویشیوں سے حاصل ہونے والی (زیادہ تر دودھ) ۴۰ سے ۵۰ لاکھ ٹن اشیاء کی مزید ضرورت پڑے گی۔ حسب ذیل گوشوارے میں منتخب سالوں کے لیے اناج، ترکاریوں، پھلوں اور مویشیوں سے حاصل ہونے والی اشیاء کی ضروریات کے اندازے پیش کیے گئے ہیں۔

گوشوارہ ۳۵

اناج، ترکاریوں، پھلوں اور مولیشیوں سے حاصل ہونے والی اشیاء کی ضروریات سے متعلق اندازے ۸۱-۱۹۷۱ء

(دس لاکھ ٹن میں)

شے	۱۹۷۱ء کم سے کم نشانہ	۱۹۷۱ء درمیانی نشانہ	۱۹۷۶ء کم سے کم نشانہ	۱۹۷۶ء درمیانی نشانہ	۱۹۸۱ء کم سے کم نشانہ	۱۹۸۱ء درمیانی نشانہ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
اناج	۸۲٫۳۷	۷۶٫۶۴	۹۲٫۶۷	۸۶٫۲۲	۱۰۲٫۳۳	۹۵٫۱۳
دالیں اور گری دار میوے	۲۱٫۲۶	۱۹٫۴۱	۲۳٫۹۲	۲۱٫۸۴	۲۶٫۳۹	۲۴٫۱۰
نشاستہ دار جڑیں	۹٫۴۰	۹٫۴۰	۱۰٫۵۸	۱۰٫۵۸	۱۱٫۶۷	۱۱٫۶۷
پھل اور ترکاریاں	۲۸٫۰۰	۳۲٫۲۹	۳۱٫۵۰	۳۶٫۳۳	۳۴٫۷۵	۴۰٫۰۸
کھانڈ[1]	۱۰٫۲۲	۱۱٫۴۵	۱۱٫۵۰	۱۲٫۸۸	۱۳٫۶۹	۱۴٫۲۱
روغن دار اشیاء	۳٫۶۷	۴٫۰۹	۴٫۱۳	۴٫۶۰	۴٫۵۶	۴٫۰۷
گوشت	۱٫۴۳	۲٫۰۴	۱٫۶۰	۲٫۳۰	۱٫۷۷	۲٫۵۴
مچھلی	۳٫۴۸	۶٫۵۴	۳٫۹۱	۷٫۳۶	۴٫۳۱	۸٫۱۲
انڈے	۰٫۴۱	۱٫۰۲	۰٫۴۶	۱٫۱۵	۰٫۵۱	۱٫۲۷
دودھ	۴۱٫۰۸	۵۶٫۶۲	۴۶٫۲۲	۶۳٫۷۰	۵۰٫۹۹	۷۰٫۲۷

ڈاکٹر پی. وی. سکھاتمے[2] اور ڈاکٹر وی. کے. آر. وی. راؤ[3] نے بھی کم سے کم اور درمیانی نشانوں کی بنیاد پر

[1] گنے کی مرادف شے۔

[2] ڈاکٹر پی. وی. سکھاتمے کی کتاب — "ہندوستان کے بڑھتے ہوئے لاکھوں لوگوں کے لیے خوراک"۔ جسے ایشیا پبلشنگ ہاؤس بمبئی نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ صفحہ ۱۷۲

[3] وی. کے. آر. وی. راؤ کا مقالہ — "ہندوستان کا طویل المیعاد غذائی مسئلہ" ۱۹۶۶ء کے متھائی میموریل لیکچر — ترپونڈرم — کیرل یونیورسٹی ۱۹۶۶ء صفحات ۴۳

پہلا باب

آبادی سے متعلق نظریات

زمانۂ قدیم ہی سے آبادی کا مسئلہ سیاست دانوں اور فلسفہ دانوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے لیکن حال ہی میں یہ کوششیں کی گئی ہیں کہ باقاعدگی کے ساتھ آبادی میں تبدیلی کے اسباب اور ان خاص طریقوں کی تحقیقات کی جائے جن سے آبادی میں اضافے بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

افلاطون اور ارسطو شہری ریاست کے اعتبار سے آبادی کے سائز کے سوال میں دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک آبادی کا سازگار اور موافق سائز وہی ہے جس میں انسان کی قوتوں کو مکمل طور سے پروان چڑھایا جا سکے اور اس کی "زیادہ سے زیادہ بھلائی" کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ یہ بات صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ آبادی اتنی ہو کہ وہ معاشی طور پر خود کفیل ہو، اپنی حفاظت خود کرنے کے قابل ہو اور ایک آئینی حکومت کے لیے بہت زیادہ نہ ہو۔ افلاطون نے یہ وضاحت کی کہ شہریوں کی تعداد ۵۰۴۰ ہو تو "تمام شہروں کے لیے غالباً بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔"

ابتدائی، جدید اور قرونِ وسطیٰ کے زمانوں میں آبادی سے متعلق کتابوں کے یورپی مصنّفین نے بڑھتی ہوئی آبادی کی حمایت کی۔ نئی دنیا کی دریافت نے، یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارت کے فروغ نے اور قومی ریاستوں کے ظہور نے آبادی کے مسائل کے مباحثوں کی اصطلاحات میں چند تبدیلیاں پیدا کیں۔ لیکن اٹھارویں صدی کے آخری حصّے تک ان لوگوں کے عام رویّے میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی جو بڑی آبادی اور آبادی میں اضافہ کی حمایت کرتے تھے۔

سیاسی معیشت کے تجارتی اور "کیمرلی" اسکولوں نے جن کو زیادہ تر یورپ میں سترھویں صدی اور اٹھارویں صدی میں فروغ حاصل ہوا تھا بڑی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے معاشی، سیاسی اور فوجی فوائد پر زور دیا تھا اور انھوں نے آبادی میں اضافہ کی رفتار کو تیز تر کرنے کے مختلف اقدامات کی حمایت کی تھی۔ یہ مصنّفین اولین طور پر ریاست کی دولت اور اقتدار کو بڑھانے کے طریقوں اور ذرائع سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کا مقصد یہ

اناج اور مویشیوں سے حاصل ہونے والی اشیاء کے اندازے لگائے ہیں۔ ڈاکٹر راؤ اور ڈاکٹر سکھاتمے کلوریوں کی کل ضروریات پر اتفاق کرتے ہیں لیکن اناج اور نشاستہ دار جڑوں سے کلوریوں کے حصول پر اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ وہ آبادی میں اضافے کی شرح خاص طور سے ۱۹۷۱ء کے بعد آبادی میں اضافے کی شرح پر بھی اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ ہمارے اندازے کلوریوں کی ضروریات سے متعلق ڈاکٹر سکھاتمے کے کم سے کم اور درمیانی نشانوں پر اور آبادی میں اضافے سے متعلق ماہرین کی کمیٹی کے اندازوں پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر سکھاتمے اور ڈاکٹر راؤ کے اندازے گوشوارہ ۳۶ میں درج کیے جاتے ہیں۔

گوشوارہ ۳۶

کم سے کم اور درمیانے نشانوں کے اعتبار سے خوراک کی ضروریات

۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۱ء تک

	کم سے کم نشانے				درمیانے نشانے	
	۱۹۷۱ء		۱۹۷۶ء		۱۹۸۱ء	
	سکھاتمے	راؤ	سکھاتمے	راؤ	سکھاتمے	راؤ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
اناج	۸۱٫۶	۷۸٫۶	۹۱٫۹	۸۷٫۶	۹۴٫۴	۸۶٫۳
نشاستہ دار جڑیں	۹٫۳	۱۶٫۴	۱۰٫۵	۱۸٫۲	۱۱٫۶	۲۳٫۷
کھانڈ	۱۰٫۱	۱۰٫۱	۱۱٫۴	۱۱٫۲	۱۴٫۱	۱۳٫۶
دالیں اور گری دار میوے	۲۱٫۱	۲۰٫۹	۲۳٫۷	۲۳٫۴	۲۳٫۹	۲۳٫۱
پھل اور ترکاریاں	۲۷٫۸	۳۲٫۸	۳۱٫۲	۳۶٫۶	۳۹٫۸	۴۷٫۴
گوشت	۱٫۴	۱٫۴	۱٫۶	۱٫۶	۲٫۵	۲٫۴
مچھلی	۳٫۴	۳٫۴	۳٫۹	۳٫۸	۸٫۱	۷٫۸
انڈے	۰٫۴	۰٫۴	۰٫۴۶	۰٫۴۴	۱٫۳	۱٫۲
دودھ	۴۰٫۷	۴۰٫۴	۴۵٫۸۵	۴۵٫۰	۶۹٫۸	۶۷٫۳
روغنی اشیاء	۳٫۷	۳٫۶	۴٫۱	۴٫۰	۵٫۰	۴٫۹

دونوں اندازے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ۱۹۷۰-۷۱ء میں اناج کی مانگ تقریباً ۱۲ کروڑ ٹن ہو گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چوتھے پنجسالہ پلان کی مدت کے دوران ۱۹۶۵-۶۶ء کی ۸ کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن پیداوار کی نسبت تقریباً ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن مزید اناج پیدا کرنے کی کوششیں کرنی ہوں گی۔ دوسرے لفظوں میں زرعی پیداوار دس فیصدی سے ذرا زائد سالانہ شرح سے بڑھانی ہو گی۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چونکہ زرعی پیداوار ۱۹۵۱-۵۲ء کو ختم ہونے والی سہ سالہ مدت کو بنیاد بناتے ہوئے ۱۹۴۹-۵۰ء سے ۱۹۶۱-۶۲ء تک کے عرصے میں ۴ فیصدی کی سالانہ شرح سے بڑھتی رہی ہے۔ چاول اور گندم کی پیداوار میں اضافہ کی شرح بالترتیب ۳ء۴ فیصدی اور ۷ فیصدی سالانہ بنتی ہے۔ فصل کے تحت رقبہ میں تقریباً ۲ فیصدی سالانہ کا اضافہ ہوا اور زراعت کی پیداواری قوت تقریباً ½۱ فیصدی سالانہ بڑھی۔ بہرکیف آنے والے پلانوں میں زرعی پیداوار کے تحت ایکڑوں کے حساب سے رقبہ میں اضافہ کا امکان محدود نظر آتا ہے اس لیے ۵ یا ۶ فیصدی سالانہ کا اضافہ دشوار نظر آتا ہے — اور جو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر سال دس فیصدی کی شرح سے اضافہ کیا جائے۔

۱۹۷۱ء کے لیے نہ صرف اناجوں کے کم سے کم غذائی نشانے بلکہ نشاستہ دار اشیاء، کھانڈ، تیل کے بیجوں دودھ، دودھ سے بنی اشیاء، گوشت، انڈوں اور مچھلی کے کم سے کم غذائی نشانے بھی چوتھے پلان کے لیے مقرر کیے گئے نشانوں کی نسبت بہت زیادہ بلند ہیں۔ مثال کے طور پر چوتھے پلان میں دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء کا نشانہ ۳ کروڑ ۲۲ لاکھ ۵۰ ہزار ٹن ہے اور ۱۹۷۱ء میں کم سے کم غذائی سطح کا تقاضہ ہے کہ یہ اشیاء ۴ کروڑ ۴۲ لاکھ ۵۰ ہزار ٹن تیار کی جائیں۔ لہٰذا چوتھے پنجسالہ پروگرام میں مقرر کیے گئے نشانے بھی جب پورے کر لیے جائیں گے تو پھر بھی کم سے کم غذائی ضروریات پوری نہیں ہوں گی۔ ہم کم سے کم غذائی نشانہ ۱۹۷۶ء تک پورا کر سکتے ہیں۔ اس وقت بھی ہماری خوراک کی کھپت کا معیار مغربی یورپ، شمالی امریکہ اور اوشیانا کے ترقی یافتہ ممالک میں اس وقت موجود معیار کے نزدیک نہیں ہو گا۔

گیارھواں باب

تعلیمی منصوبہ بندی اور آبادی میں اضافہ

ریاستی پالیسی کا رہنمایانہ اصول جو ہندوستان کے آئین میں شامل ہے، حسب ذیل ہے۔

"اس آئین کے آغاز سے دس سال کے عرصے میں صوبے اس وقت تک تمام بچوں کے لیے جب تک کہ وہ ۱۴ سال کی عمر مکمل نہیں کر لیتے مفت اور لازمی تعلیم مہیا کرنے کی کوشش کریں گے۔" دفعہ ۴۵

اس کے مطابق ۶ سے ۱۳ برس کی عمر کے تمام بچوں کو جو پہلی سے آٹھویں جماعت میں پڑھ رہے تھے ۱۹۶۸ء ہی میں مفت اور لازمی تعلیم فراہم کی جانی چاہیے تھی لیکن ملک ابھی تک اس نشانے سے بہت دور ہے جس کا مشورہ دیا گیا ہے۔ تیسرے پنجسالہ پلان کے آخر میں بھی (مارچ ۱۹۶۶ء) پہلی سے پانچویں تک جماعتوں میں ۶ سے ۱۰ برس کی عمر کے بچوں کے تقریباً ۷۰ فیصدی حصے کے برابر نفری ہے۔ اور پانچویں سے آٹھویں تک جماعتوں میں ۱۱ سے ۱۳ برس کی عمر کے گروپ کے بچوں کے تقریباً ۳۰ فیصدی حصے کے برابر نفری ہے۔ ترقی کی اس سست رفتاری کی جزوی وجہ یہ ہے کہ اسکول جانے والے بچوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

پلاننگ کمیشن نے ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کی تھی جس کی ایک میٹنگ ۱۹۶۸ء تک لازمی پرائمری تعلیم کا نشانہ پورا کرنے کے امکان کی چھان بین کرنے کیلئے پونا میں ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ اس کمیٹی کو پتہ چلا کہ کام بہت بڑا تھا۔ اور یہ دس سال کے قلیل عرصے میں پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اس مقصد کو دو مراحل میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ پہلے مرحلے میں جسے تیسرے پلان کے آخر میں مکمل کیا جا سکتا ہے ۶ سے ۱۰ برس کی عمر کے گروپ کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم مہیا کی جائے۔ دوسرے مرحلے میں جسے پانچویں پلان کے آخر میں مکمل کیا جا سکتا ہے ۱۱ سے ۱۳ برس کی عمر کے گروپ کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم مہیا کی جائے۔ لیکن جس نشانے میں ردّ و بدل کیا گیا ہے اس کا پہلا مرحلہ بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچایا گیا ہے کیونکہ ۶ سے ۱۰ برس کی عمر کے صرف ۷۰ فیصدی بچوں کو مارچ ۱۹۶۶ء تک مفت اور لازمی تعلیم فراہم کی گئی ہے۔ یہ بات بھی ناممکن نظر آتی ہے کہ صوبوں کی سرکاریں اس نشانے کے دوسرے مرحلے کو پایۂ تکمیل تک

پہنچا سکیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکول جانے والے بچوں کی آبادی میں برق رفتاری سے اضافہ ہو رہا ہے۔

گوشوارہ ۳۷

۱۹۵۱ء-۱۹۶۶ء کے دوران اسکولوں میں نفری

(ہزاروں میں)

	لڑکے	لڑکیاں	کل میزان
۱	۲	۳	۴
پہلی سے پانچویں جماعتوں میں نفری			
۱۹۵۱ء	۱۳۷۷۰	۵۳۸۵	۱۹۱۵۵
۱۹۵۶ء	۱۷۵۲۸	۷۶۳۹	۲۵۱۶۷
۱۹۶۱ء	۲۳۵۹۳	۱۱۴۰۱	۳۴۹۹۴
۱۹۶۴ء	۲۹۲۳۴	۱۵۳۹۹	۴۴۶۳۳
۱۹۶۶ء ٭	۳۱۶۰۰	۱۹۶۰۰	۵۱۲۰۰
۶ برس سے ۱۰ برس کی عمر کے کل بچوں کے اعتبار سے پہلی سے پانچویں جماعتوں میں نفری کا فیصد تناسب			
۱۹۵۰ء-۵۱	۵۹٫۸	۲۴٫۶	۴۲٫۶
۱۹۵۵ء-۵۶	۷۰٫۳	۳۲٫۴	۵۲٫۹
۱۹۶۰ء-۶۱	۸۲٫۴	۴۱٫۳	۶۲٫۲
۱۹۶۵ء-۶۶ ٭	۹۴٫۶	۶۰٫۶	۷۷٫۸
پانچویں سے ساتویں جماعتوں میں نفری			
۱۹۵۱ء	۲۵۸۶	۵۳۴	۳۱۲۰
۱۹۵۶ء	۳۴۲۶	۸۶۷	۴۲۹۳
۱۹۶۱ء	۵۰۷۴	۱۶۳۱	۶۷۰۵
۱۹۶۴ء	۶۷۸۱	۲۴۱۶	۹۱۹۷

٭ اتنی نفری ہو جانے کا امکان

۱	۲	۳	۴
۱۹۶۶ء٭	۷۹۲۳	۲۸۷۷	۱۰۸۰۰
۱۱ سے ۱۳ برس کی عمر کے کل بچوں کے اعتبار سے پانچویں سے آٹھویں جماعتوں میں نفری کا فیصد تناسب			
۱۹۵۰-۵۱ء	۲۰٫۶۷	۴٫۶۵	۱۲٫۶۷
۱۹۵۵-۵۶ء	۲۵٫۶۵	۶٫۶۹	۱۶٫۶۵
۱۹۶۰-۶۱ء	۳۳٫۶۱	۱۱٫۶۲	۲۲٫۶۴
۱۹۶۵-۶۶ء	۴۵٫۶۶	۱۷٫۶۲	۳۱٫۶۶

۱۹۶۶ء میں ۶ سے دس برس کی عمر کے بچوں کی آبادی کا اندازہ ۶ کروڑ ۶۰ لاکھ ہے۔ توقع ہے کہ یہ ۱۹۷۱ء میں بڑھ کر ۷ کروڑ ۶۰ لاکھ ہو جائے گی۔ ۱۹۷۶ء میں ۸ کروڑ ۳۰ لاکھ ہو جائے گی ۱۹۸۱ء میں ۸ کروڑ ۹۰ لاکھ ہو جائے گی اور ۱۹۸۶ء میں ۸ کروڑ ۷۰ لاکھ ہو جائے گی۔ یہ اندازے ان خاکوں پر مبنی ہیں جن میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ ۱۹۷۶ء کے بعد افزائش نسل کی صلاحیت بہت کم ہو جائے گی۔ لیکن اگر یہ کم نہ ہوئی تو اسکول جانے والے بچوں کی آبادی اس سے بھی زیادہ ہو گی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ۶ سے ۱۰ برس کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم مہیا کرنے کا نشانہ ۱۹۷۶ء تک پورا کر لیا جائے گا یعنی پانچویں پنجسالہ پلان کے آخر میں پورا کر لیا جائے گا تو ۱۹۶۶-۷۱ء کے دوران تقریباً ایک کروڑ ۹۰ لاکھ مزید بچوں کو اسکولوں میں داخلہ دینا پڑے گا، ۱۹۷۱-۷۶ء کے دوران ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ بچوں کو ۱۹۷۶-۸۱ء کے دوران مزید ۸۲ لاکھ بچوں کو داخلہ دینا پڑے گا۔ اسی طرح اگر ۱۹۸۶ء تک ۱۱ سے ۱۳ برس کی عمر کے گروپ کے بچوں کو لازمی تعلیم مہیا کی جائے گی تو ۱۹۶۶-۷۱ء کے دوران تقریباً ۸۰ لاکھ مزید بچوں کو، ۱۹۷۱-۷۶ء کے دوران ایک کروڑ مزید بچوں کو اور ۱۹۷۶-۸۱ء کے دوران ایک کروڑ ۲۷ لاکھ مزید بچوں کو اور ۱۹۸۱-۸۶ء کے دوران ایک کروڑ ۵۵ لاکھ مزید بچوں کو تعلیمی سہولتیں فراہم کرنی ہوں گی۔ اگر ہم عمر کے دونوں گروپوں کو اکٹھا کر دیں تو ہم دیکھیں گے کہ ۶ سے ۱۳ برس کی عمر کے گروپ کے ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ بچوں کو چوتھے پلان کی مدت کے دوران، ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ بچوں کو پانچویں پلان کی مدت کے دوران، چھٹے پلان کی مدت میں ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ بچوں کو اور ساتویں

٭ اتنی نفری ہو جانے کا امکان ہے۔

پلان کی مدت کے دوران ایک کروڑ ۶۰ لاکھ بچوں کو تعلیمی سہولتیں مہیا کرنی ہوں گی۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ آپ صرف ایک ہی مثال لیجئے۔ اندازے کے مطابق ۱۹۸۶ء میں مزید ۲۳ لاکھ ٹیچروں کی ضرورت ہوگی جو پہلی سے آٹھویں جماعتوں کو پڑھایا کریں گے۔ اگر لازمی پرائمری تعلیم کے نشانے کو پورا کرنا مقصود ہے (گوشوارہ ۳۸) اور یہ اندازہ اس مفروضے کے مطابق ہے کہ ٹیچروں اور طلباء کا فیصد تناسب ایک اور ۴۰ ہوگا۔

گوشوارہ ۳۸

پرائمری کلاسوں کے لیے ضروری ٹیچروں کی تعداد ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۱ء تک

سال	ٹیچروں کی مطلوبہ تعداد	کتنے مزید ٹیچروں کی ضرورت ہوگی
۱	۲	۳
۱۹۷۱ء	۲۲٫۲۵	۵٫۹۹
۱۹۷۶ء	۳۰٫۲۵	۱۳٫۹۹
۱۹۸۱ء	۳۵٫۳۸	۱۹٫۱۲
۱۹۸۶ء	۳۹٫۲۵	۲۲٫۹۹

ثانوی تعلیم

آگرہ، گورکھپور، الہ آباد، لکھنؤ اور بمبئی کی یونیورسٹیوں کے سوا ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں نے ۶۶-۱۹۶۵ء کے دوران ہائر سیکنڈری یا یونیورسٹی میں داخلے سے پہلے کے نصاب کے بعد تین سال کا ڈگری کا کورس رائج کیا۔ متذکرہ بالا یونیورسٹیوں میں انٹرمیڈیٹ کورس کے بعد دو سال کا ڈگری کورس ہے۔ ۱۹۵۱ء میں انٹرمیڈیٹ کلاسوں میں طلبا کی نفری ۲٫۲۳ لاکھ تھی۔ ۱۹۶۴ء میں یہ ۵٫۳ لاکھ تک بڑھ گئی۔ ہائر سیکنڈری اسکولوں میں طلباء کی نفری ۱۹۵۱ء میں ۱۲ لاکھ سے بڑھ کر ۱۹۶۴ء میں ۵۳ لاکھ ہوگئی۔ (گوشوارہ ۳۹)

گوشوارہ ۳۹

ہائر سیکنڈری اور انٹرمیڈیٹ کلاسوں میں طلباء کی نفری ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۶ء تک

(لاکھ میں)

سال	ہائر سیکنڈری کلاسیں	انٹرمیڈیٹ کلاسیں
۱	۲	۳
۱۹۵۱ء	۱۲٫۲۰	۲٫۲۳

۱	۲	۳
۱۹۵۴ء	۱۵،۹۵	۳،۴۳
۱۹۵۶ء	۱۸،۵۷	۴،۱۸
۱۹۵۸ء	۲۱،۸۳	۴،۵۶
۱۹۶۱ء	۲۸،۸۷	۵،۱۶
۱۹۶۴ء	۴۰،۰۶	۵،۲۹
۱۹۶۶ء *	۵۳،۰۰	—

اس طرح ۱۹۶۱ء میں طلباء کی نفری ۱۹۵۱ء میں طلباء کی نفری کی نسبت ۲½ گنا زیادہ تھی اور ۱۹۶۶ء میں تقریباً ۴ گنا زیادہ تھی۔ آبادی میں آئندہ اضافے کے امکان اور ابتدائی تعلیم کے اوپر کی طرف دباؤ کے رجحان کی بنیاد پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہر ساتویں سال کے بعد ہائر سیکنڈری اور انٹرمیڈیٹ کلاسوں میں طلباء کی تعداد دگنی ہو جایا کرے گی۔ ۱۹۶۶ء میں اندازے کے مطابق ۱۴ سے ۱۵ برس کی عمر کے گروپ کے بچوں کے ۱۷،۶۸ فیصدی حصّے کے برابر بچوں کو ہائر سیکنڈری کلاسوں میں داخل کیا گیا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ فیصد تناسب ۱۹۷۱ء میں ۳۰ تک بڑھ جائے گا اور ۱۹۸۶ء میں ۶۰ تک بڑھ جائے گا تو متوقع نفری ۱۹۷۱ء میں تقریباً ۵، لاکھ اور ۱۹۸۶ء میں تقریباً ۲۱۰ لاکھ ہوگی۔ اسی طرح اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ گیارھویں اور بارھویں کلاسوں میں نفری کا فیصد تناسب ۱۹۷۱ء میں ۱۵ تک اور ۱۹۸۶ء میں ۳۰ تک بڑھ جائے گا تو متوقع نفری ۱۹۷۱ء میں ۳۴ لاکھ اور ۱۹۸۶ء میں ۱۰۱ لاکھ ہوگی۔ (گوشوارہ ۴۰) اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسئلہ کس قدر عظیم ہے۔

گوشوارہ ۴۰

نویں سے بارھویں جماعتوں میں کل نفری اور نفری کا فیصد تناسب ۱۹۸۶ء — ۱۹۷۱ء

سال	۱۵-۱۴ برس کی عمر کے گروپ کے بچوں کی نویں اور دسویں کلاسوں میں متوقع نفری		۱۷-۱۶ برس کی عمر کے گروپ کے بچوں کی گیارھویں اور بارھویں جماعتوں میں متوقع نفری	
	فیصد تناسب	کل تعداد (لاکھ میں)	فیصد تناسب	کل تعداد (لاکھ میں)
۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۷۱ء	۳۰	۰۵	۱۵	۳۴

* اتنی نفری ہو جانے کا امکان

۱	۲	۳	۴	۵
۱۹۷۶ء	۴۰	۱۱۵	۲۰	۵۴
۱۹۸۱ء	۵۰	۱۶۰	۲۵	۷۸
۱۹۸۶ء	۶۰	۲۰۹	۳۰	۱۰۱

اس کام کا مختصر سا ذکر جس کا سامنا ہمارے منصوبہ سازوں اور پالیسی بنانے والوں کو پرائمری اور ثانوی تعلیم کے میدان میں کام کرنا ہوگا کافی حد تک اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ اسکول جانے والے طلبا کی آبادی میں برق رفتاری سے اضافہ نے ہمارے محدود معاشی ذرائع پر بھاری دباؤ ڈالا ہے اور ہمارے آئین میں پرائمری تعلیم کے جس نشانے کو پورا کرنے کی بات کہی گئی ہے اس کا ۱۹۷۱ء تک بھی پورا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ثانوی، یونیورسٹی اور ٹیکنیکل تعلیم کی ترقی کی رفتار بھی سست رہے گی اور ہماری ضروریات کے مقابلے میں بہت کم ہوگی۔ یہ بات ہمارے ملک کی معاشی ترقی میں رکاوٹ ڈال سکتی ہے۔

اس بات کو اب تسلیم کیا جاتا ہے کہ کسی ملک کی دولت کا دار و مدار انسانی وسائل پر اتنا ہی ہوتا ہے جتنا مادی سرمایہ کے جمع کیے جانے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا تعلیمی منصوبہ بندی کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ وہ اُن قوتوں کو منظرِ عام پر لائے جو انسانی وسائل میں کار فرما ہوتی ہیں۔ ایسا ایک مربوط تعلیمی پروگرام کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اگر تعلیمی پروگرام کو مجموعی قومی ترقیاتی پلان سے متحد نہیں کیا جائے گا اور اسے ملک کی آئندہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے فروغ نہیں دیا جائے گا تو یہ تعلیمی پروگرام ملک کی مجموعی معاشی اور سماجی ترقی میں کوئی حصہ نہیں ڈال سکے گا۔

ہندوستان کے موجودہ تعلیمی منصوبوں میں پرائمری تعلیم کو بھاری فوقیت دی جا رہی ہے۔ اگرچہ ثانوی تعلیم کے پھیلاؤ کی ضرورت کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اسے بہت کم فوقیت دی جا رہی ہے۔ یونیورسٹی کی تعلیم آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے۔ لیکن یہ کافی تعداد میں اعلیٰ درجے کے ٹیکنیکل ماہرین مہیا کرنے کے ناقابل ہے جو ترقی کے تیز تر عمل کو تقویت دے سکیں۔ ٹیکنیکل تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن نشو و نما پاتی ہوئی معیشت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ٹیکنیکل اسکول موجود نہیں ہیں۔ تعلیمی منصوبے عمر کے مختلف گروپوں کے اعتبار سے اسکول جانے والے بچوں کی آبادی کے گوشواروں پر مبنی ہیں اور مختلف اقسام کے تربیت یافتہ کارکنوں کے لیے آئندہ ضروریات پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ تعلیمی نظام

سے ناہموار اہرام حاصل ہوتا ہے جس کی پرائمری تعلیم کے پروگرام والی بنیاد بہت چوڑی ہے جس کی بلند ہوتی ہوئی ثانوی تعلیم کے نظام کی چوٹی بہت ہی تنگ ہے اور اس چوٹی کی اعلیٰ تعلیم والی پرت اور بھی زیادہ سکڑ جاتی ہے۔ اس قسم کے نمونے میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ بے ہنر اور نیم ہنر مند کارکنوں کو جنم دیتا ہے۔ اگرچہ ہنر مند اور اعلیٰ درجے کے ہنر مند اشخاص کی تعداد میں کچھ اضافہ ہوا ہے لیکن یہ اضافہ ایک ترقی پذیر ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا ایک متحدہ تعلیمی منصوبہ مرتب کرنے کی ضرورت ہے جو ملک کے ترقیاتی منصوبوں کی جانب سے پیش کیے جانے والے مطالبات کو زیادہ سے زیادہ پورا کرے گا۔

بارھواں باب

ہندوستان میں آبادی میں اضافہ اور معاشی ترقی

ہندوستان غالب حیثیت سے ایک زرعی ملک ہے اور اس کی تقریباً ۷۰ فیصدی آبادی زراعت پر دار و مدار رکھتی ہے لیکن زراعت کی حالت مایوس کن ہے۔ چونکہ یہ قومی آمدنی میں صرف ۴۷ فیصدی کے برابر حصہ ڈالتی ہے۔ زرعی پیداوار کو بڑھانے کی سنجیدہ کوششوں کے باوجود ۵۰-۱۹۴۹ء سے ۶۲-۱۹۶۱ء تک کے عرصے کے دوران اضافہ کی سالانہ شرح تقریباً ۴ فیصدی رہی ہے۔ زیرِ کاشت رقبہ صرف ۲ فیصدی کے لگ بھگ بڑھ پایا ہے اور زراعت کی پیداواری قوت میں تقریباً ۱½ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ تیسرے پلان کی مدت میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا۔ ۶۵-۱۹۶۴ء کے سوا جبکہ زرعی پیداوار ۸ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن کی سطح تک جا پہنچی تھی۔ لیکن ۶۶-۱۹۶۵ء میں زرعی پیداوار خراب موسم کے باعث کم ہوکر، کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن رہ گئی۔ اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ زرعی پیداوار چوتھے پلان کے عرصے میں تقریباً ۶ء۵ فیصدی بڑھ جائے گی۔ لیکن یہ اتنی کافی نہیں ہوگی کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرسکے اور اناج کی درآمد ضروری ہوگی۔

ہندوستان کی آبادی کی عمر کا ڈھانچہ کچھ ایسا ہے کہ اس کی بنیاد بہت چوڑی ہے مگر اس کی چوٹی مخروطی ہے اس لیے دوسروں پر انحصار رکھنے کی شرح بہت بلند ہے۔ دوسروں پر انحصار رکھنے کی شرح کا مطلب ہے ۱۵ برس سے کم عمر کے بچوں اور ۶۰ برس کی عمر کے بوڑھے لوگوں کا تناسب۔ اور ۱۵ سے ۵۹ برس کی عمر کے محنت کش لوگوں میں یہ تناسب اور بھی زیادہ ہے۔ ہندوستان میں محنت کش لوگوں کے گروپ میں ۱۰۰ اشخاص کے پیچھے دست نگر لوگوں کی تعداد ۹۶ ہے جبکہ معاشی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں یہ تعداد صرف ۶۵ ہے۔ اگر شرحِ پیدائش بڑھتی رہی اور شرحِ اموات کم ہوتی رہی تو دست نگر لوگوں کا بوجھ اور زیادہ بڑھ جائے گا۔

پہلے دو پنجسالہ پلانوں کی دس سال کی مدت کے دوران صنعتی پیداوار میں ۹۴ فیصدی کا اضافہ ہوا اور قومی آمدنی ۴۲ فیصدی بڑھی لیکن اسی مدت کے دوران آبادی ۲۱ فیصدی بڑھ گئی اس طرح فی کس